اردو مرکز لائبریری

اردو ادب کے جاں فروز مرثیوں کا علمی انتخاب

پیامِ زندگی

جلد سوم

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی
(اقبال)

مرتبہ
مولینا تاجور نجیب آبادی پروفیسر دیال سنگھ کالج اڈیٹر اتحاد

به اعانت
حضرات اراکین اردو مرکز لاہور

میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلیشرز لاہور

اُردو مرکز لاہور

ملک کی واحد اکیڈمی (اُردو مرکز لاہور) انتخاب ہفت کشور پنجاب کے دار السلطنت لاہور میں ذیل کے اہم مقاصد کی تکمیل کے لیئے ایک بڑے سرمایہ سے قائم کی گئی ہے۔

(۱) اُردو لٹریچر کے ذخیرۂ بیکراں میں سے اُس جاندار اور مفید حصے کو جو محفوظ رکھنے کے قابل ہے۔ حتی الامکان تاریخی ترتیب کے ساتھ مجلدات میں شائع کرنا۔

(۲) اُردو زبان کی مکمّل انسائیکلو پیڈیا کی تالیف۔

(۳) ایک جامع اُردو لُغات کی ترتیب۔

(۴) اُردو مرکز کی مجلس ادبا (جو درحقیقت اردو زبان کے لیئے ایک ادبی دار الافتا ہے) کے ذریعہ علمی ضروریات کے مناسب جدید الفاظ کی اختراع و متنازع فیہ امور کے متعلق ناطق فیصلہ کرنا۔

ایک باوقار علمی جماعت جسمیں، ملک کے سر برآوردہ اہلِ قلم اور منتخب انشا پرداز شریک ہیں۔ اُردو مرکز مذکورہ بالا اہم مقاصد میں سے پہلے مقصد کی تکمیل پر اپنی تمام تر توجہ مبذول کیئے ہوئے ہے اسکی پہلی زرّین کوشش تیس گرانقدر مجلدات کی صورت میں قدر شناس نگاہوں کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ آنریبل سر شیخ عبد القادر بالقابہ۔ خان بہادر شیخ نور الٰہی آئی۔ ای۔ ایس۔ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی جیسے نقادانِ ادب کے مشوروں کے ماتحت یہ مجلدات جماعت اُردو مرکز نے ترتیب دیئے ہیں۔ قدر شناس اہلِ نظر نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ تو ہم کم و بیش ڈیڑھ سو مجلدات شائع کر کے اردو مصنّفین کو بڑی بڑی لائبریریوں سے بے نیاز کر دینگے۔

تاجور نجیب آبادی۔ پروفیسر دیال سنگھ کالج۔ ایڈیٹر اُنحاد و چیف ایڈیٹر اردو مرکز لاہور

کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور میں باہتمام بابو گورا نند تہ مل چھپی

فہرست

پیامِ زندگی

جلد سوم

شہادت حضرات عون و محمد

دیباچہ
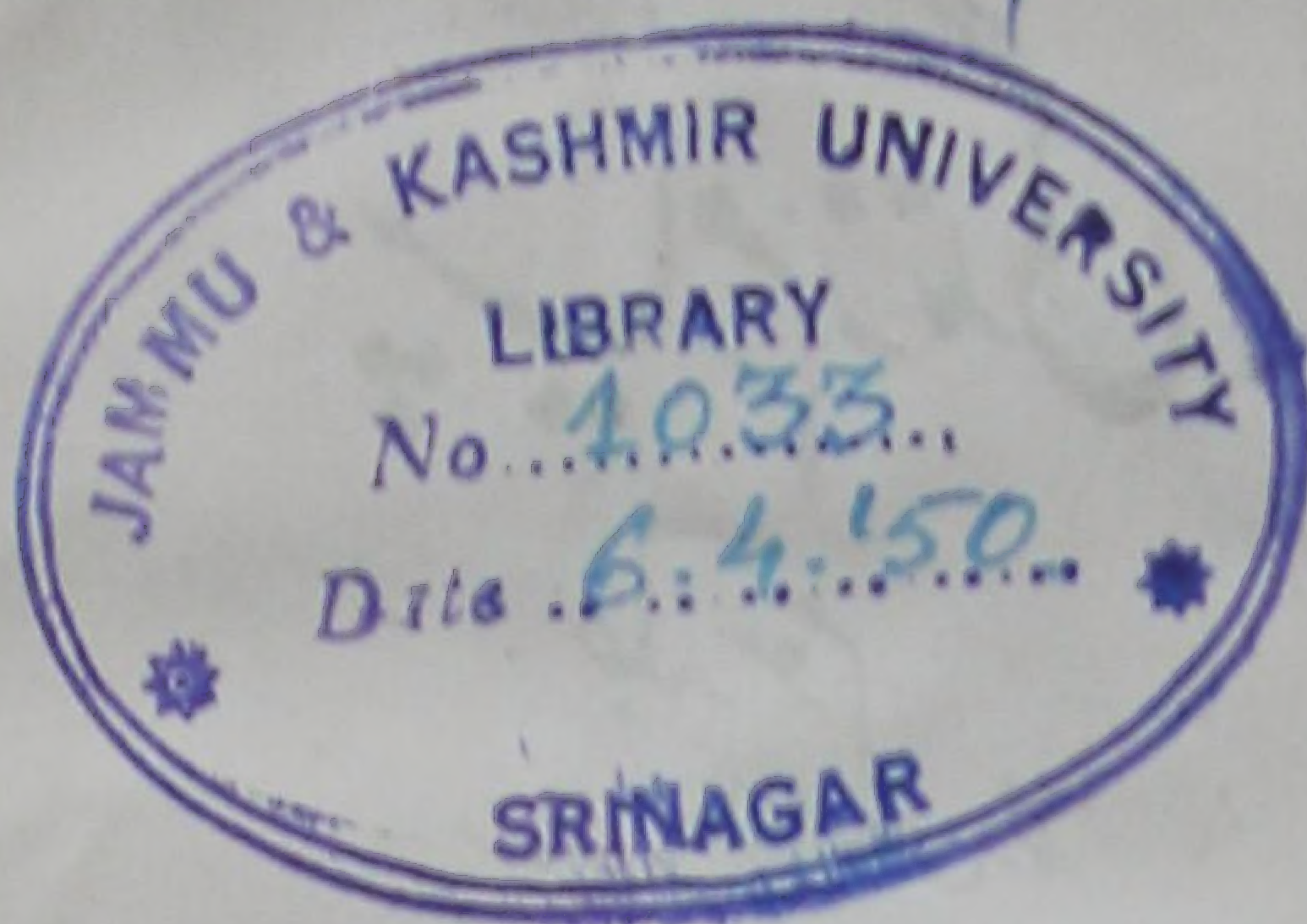
اُردو شاعری کا دفتر بے پایاں جس میں ہمارے شعرا کی بہتر سے بہتر صلاحیتیں صرف ہوئی ہیں مختلف اصنافِ سخن پر مشتمل ہے جن میں سے صنفِ مراثی بھی ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے باوجود ایک تنگ اور محدود موضوع کے پھر بھی مناظر قدرت۔ مواعظ اخلاق۔ رقّتِ جذبات۔ شجاعت و الوالعزمی غرضیکہ مہماتِ شاعری کے کون اجزا ہیں جو اِس میں موجود نہیں۔ اس لئے اگر تاریخی حیثیت سے اُردو شاعری اور اس کے بہترین نمونوں کو یکجا کیا جائے تو یقیناً ہم اس صنف سے کسی طرح بے نیاز نہیں رہ سکتے۔

انتخاب بجائے خود نہایت اہم کام ہے ابو تمّام کے مرتبہ شاعری سے کِس کو انکار ہے مگر اُس کی اصلی خدمت اُس کی شاعری نہیں سمجھی جاتی بلکہ اس کا وہ انتخاب جو حماسہ کے نام سے مشہور ہے۔ قطع نظر اس سے کہ خس و خاشاک کے ایک بڑے انبار سے گرانبہا جواہر ریزوں کو چُن چُن کر نکالنا اور پھر اُن میں باہم ربط و تسلسل کا قائم رکھنا صحتِ مذاق و دیدہ ریزی کی ایک سخت آزمائش ہے سب سے زیادہ دقّت یہ ہے کہ یہ تودۂ خاک مذہب و عقیدت کی زیارت گاہ بھی ہے اسے کریدنا اور اِس طرح کریدنا کہ جذباتِ مذہبی کو ٹھیس نہ لگے آسان نہیں

بہرصورت اِن تمام امور کو ملحوظ رکھ کر ہم نے انتخاب کے لیئے جو اصول مدِ نظر رکھے ہیں ان کو یہاں کسی قدر وضاحت سے بتا دینا چاہتے ہیں۔

(۱) یہ انتخاب خالص ادبی نقطۂ نظر سے کیا گیا ہے اور غایت اصلی اُن حصص کی فراہمی ہے جنہیں کوئی مخصوص شاعرانہ خوبی (اپنے حقیقی معنوں میں) موجود ہو۔ اِس لیئے ایسی دور از کار بیجا کاوشیں جن میں نہ جوش ہے نہ اصلیت اور نہ طرزِ بیان کی کوئی خاص خوبی۔ قطعاً نظر انداز کر دی گئی ہیں۔

(۲) بند کا کوئی جزو حتیٰ کہ ایک مصرعہ بھی اگر شاعرانہ حیثیت سے اچھا نظر آیا تو اُسے بھی کسی نہ کسی طرح اس مجموعہ میں لے لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۳) ایسی چیزوں کو بالکلیہ چھوڑ دیا گیا ہے جن سے کسی کے جذبۂ مذہبی کو صدمہ پہنچنے کا امکان تھا۔

(۴) بَین و بُکا کے سلسلہ میں ایسے مضامین جن سے طبیعتوں میں پستی و دنائیت پیدا ہو اُن کو بھی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

(۵) حد سے گذری ہوئی باتیں یا وہ غیر معتدل و بیجا مبالغہ جس کی تاویل کسی شاعرانہ اسلوب بیان سے بھی نہ ہو سکی ان سب کو حذف کر دیا گیا۔ ممکن ہے وہ باتیں خوارقِ عادات یا اسرارِ دینیہ کی رُو سے معقول و مناسب ہوں مگر چونکہ اس مجموعہ کی غایت صرف ادب و شاعری کی خدمت ہے۔ اور غرض یہ ہے کہ عام اربابِ ذوق بلا تفریقِ مذہب و ملّت اس سے لُطف اندوز ہو سکیں۔ اِس لیئے اس قسم کے "باب المناقب" "باب الخوارق" یا "باب المناظرہ" کے لیئے گنجائش نہیں نکالی جا سکی۔

(۶) دورانِ مطالعہ و انتخاب میں یہ بھی محسوس ہوا کہ (غالباً سوز خوانوں کی بدولت) اکثر مراثی تحریف و تصرف سے بھی محفوظ نہیں کہیں کا چہرہ کسی کا سراپا۔ کہیں کا رجز کسی کا بین۔ یہ سب اس بری طرح باہم خلط ملط ہیں۔ کہ ان کا صحیح صحیح پتہ چلنا قریباً ناممکن ہے انتہا یہ کہ بند اور ابیات تک کہیں کے کہیں پہنچ گئے ہیں اس لئے اگر کہیں کی بیت کمزور معلوم ہوئی تو بجائے اس کے دوسری بیت اسی مرثیے سے منتخب کر کے لگا دی گئی۔ مصرعے جو سہو کاتب سے غلط یا کمزور نظر آئے اُن کی اپنے طور پر تصحیح کر دی گئی۔ مرثیوں میں تحریف و تصرف کا ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے مولینا سید علی حیدر طباطبائی لکھنوی المخاطب بہ نواب حیدر یار جنگ بہادر طباطبائی نے مراثی انیس کی ترتیب میں اس کا بہت صاف صاف اعتراف کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:-

مرثیہ خوانوں کا ایک بڑا فرقہ پیدا ہو گیا کہ ان بزرگوں کا کلام جابجا مجلسوں میں شہروں شہروں پڑھتے پھرتے تھے بہت لوگوں کا ذریعہ معاش یہی ہو گیا تھا۔ مشکل انہیں یہ پیش آتی تھی کہ کسی امیر کی مجلس میں بہت سے ذاکر پڑھنے والے ہیں۔ ان کو بھی پندرہ بیس بند پڑھنے کی اجازت ہے۔ اب یہ مرثیے میں تصرف کرنے پر آمادہ ہیں چاہتے ہیں جیسی ہی بند میں مطلع بھی ہو رخصت بھی ہو رزم بھی۔ شہادت بھی۔ اسکی صورت یہ ہے کہ اگر کچھ موزوں کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں تو خود ہی بند انتخاب کر لئے۔ ربط کیلئے مصرعے بدل بدل دئے۔ اِدھر کی بیت اُدھر لگا دی۔ ایک مرثیے کے بند دوسرے مرثیہ میں لگا دئے بحر بدل گئی تو انہیں خبر نہ ہوئی۔ خود ایسا نہ کر سکے تو کسی دوسرے سے مشورہ کر کے مرثیہ میں اس طرح کے تصرف کئے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ یہ کام بعض احباب کی خاطر سے میں نے خود کیا ہے اور ایک دفعہ نہیں بہت دفعہ ایسا ہوا ہے مدتوں

بڑے بڑے مرثیوں میں سے چھوٹے چھوٹے مرثیے اس ترکیب سے نکلتے تھے۔ اور مجلسوں میں پڑھے جاتے تھے۔ سوزخواں انہیں مرثیوں کی نقلیں لیکر ان پر سوز رکھتے تھے اس سے ظاہر ہے کہ ان بزرگوں کا کلام شاہ نامہ کی طرح غیر کے تصرف سے پاک نہیں رہا۔"

(۷) انتخاب کے کاموں میں ہمیں حضرت اصغر۔ مرزا یاس یگانہ۔ حضرت جگر مراد آبادی حضرت فاخر ہریانوی بی۔ اے۔ میاں تصدق حسین خالد ایم اے۔ اور حضرت سیماب اکبر آبادی ایڈیٹر پیمانہ۔ جناب شبیر علیخانصاحب سرخوش مصنف اعجاز سخن سے امداد ملی ہے جس کے ہم تہ دل سے سپاس گذار ہیں۔ آنریبل خان بہادر سر شیخ عبد القادر بی اے بیرسٹر ایٹ لا ممبر ایگزیکٹو کونسل۔ خان بہادر شیخ نور الٰہی صاحب ایم اے۔ آئی۔ ای۔ ایس۔ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی اپنے وقت عزیز کا گرانمایہ حصہ ہمارے انتخابات دیکھنے اور انتخابات کے متعلق مفید مشوروں سے مسلسل طور پر فاتبقدا امداد فرماتے رہے۔ کارکن حضرات کے زاویہ نگاہ میں موافقت ویکسانیت کی حتی المقدور پوری کوشش کی گئی ہے تاہم ممکن ہے کہ کہیں انتخاب و انتقاد کا معیار مختلف نظر آئے۔ اس لئے قدرت نے طبائع میں جو فرق و امتیاز قائم کر رکھا ہے اسے بالکل دور نہیں کیا جا سکا۔ آئندہ ایڈیشن میں انشاء اللہ اس سے زائد ہمواری پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

(۸) اس سلسلہ میں یہ امر بھی ملحوظ رکھا ہے کہ جہاں یہ انتخاب ادب و شاعری کے لحاظ سے ارباب ذوق کے طبقہ عالیہ میں شرف قبولیت حاصل کرے۔ وہیں یہ بھی ہو کہ طلبہ اور عام تشنگان شعر و ادب بھی اس سے پورے طور پر مستفید ہو سکیں اس لئے جا بجا فٹ نوٹ دیدئے گئے ہیں۔ تاکہ یہ مجموعہ تعلیمی ضروریات کے لئے بھی مفید و

کارآمد ثابت ہو۔

مراثی کی فراہمی مرثیہ گو شعرا کے حالات و تصاویر کے متعلق ہمارا مطمحِ نظر جس قدر بلند تھا اس کے لحاظ سے ہمیں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو سکی۔ لکھنؤ میں ان چیزوں کو یوں تو نخاس کے کباڑیوں کے یہاں کوئی پوچھتا نہیں۔ مگر جب کسی کو خدمتِ علمی کے سلسلے میں اسکی تلاش ہو تو پھر یہی چیز بقائے زندگی کا ایک ذریعہ سمجھ لیجاتی ہے اور اسے دوسروں کے ہاتھ میں دیتے ہوئے سخت خطرہ محسوس ہونے لگتا ہے ہمیں اس معاملہ میں جو پریشانیاں اٹھانی پڑی ہیں۔ ان کا تقاضا تو یہی تھا۔ کہ اس سے تلخ تر الفاظ میں ہم گلہ مند ہوتے۔ مگر کیا کہئے کہ شکوہ سنجیوں کی بہ نسبت سپاس گذاریوں میں ہم زیادہ راحت پاتے ہیں۔ اسلئے خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت کی ان عنایات پر جو انہوں نے شعرا کے حالات و مراثی کی فراہمی میں فرمائی ہیں۔ منت گذاری کا اظہار کرتے ہیں + **ناجور**

افراد مرثیہ کے اسمائے گرامی

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت امام حسینؑ کے نانا۔

(۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت امام حسینؑ کے والد بزرگوار۔

(۳) حضرت امام حسنؑ۔ حضرت امام حسینؑ کے بڑے بھائی۔

(۴) حضرت عباسؓ۔ حضرت امام حسینؑ کے سوتیلے بھائی۔

(۵) حضرت قاسمؑ۔ حضرت امام حسن کے صاحبزادے جو حضرت امام حسین کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے

(۶) حضرت علی اکبرؓ۔ حضرت امام حسینؑ کے صاحبزادے۔

(۷) حضرت امام زین العابدینؓ حضرت امام حسینؑ کے بڑے صاحبزادے جو واقعہ کربلا کے وقت علیل تھے
(۸) حضرت علی اصغرؓ حضرت امام حسینؑ کے شیر خوار صاحبزادے۔
(۹) محمد ابن حنیفہ۔ حضرت امام حسینؑ کے سوتیلے بھائی۔
(۱۰) حضرت حُر۔ یزید کی طرف کے ایک افسر فوج جو میدان کربلا میں پہنچ کر حضرت امام حسینؑ کی طرف ہو گئے اور آپ کی جانب سے جنگ کر کے شہید ہوئے
(۱۱) حبیب ابن مظاہر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی جو حضرت امام حسینؑ کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔
(۱۲) حضرات عون و محمدؓ حضرت زینبؓ (حضرت امام حسینؑ کی ہمشیرہ) کے دو صاحبزادے
(۱۳) حضرت مسلم بن عقیل۔ حضرت امام حسینؑ کے چچازاد بھائی۔
(۱۴) ہانی۔ کوفہ کا ایک باشندہ جو حضرت مسلمؓ کو اپنے گھر میں پناہ دینے کے سبب حضرت مسلمؓ کے ساتھ شہید ہوا۔

❁ ❁ ❁

(۱) حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہ زہراؓ کی والدہ مکرمہ۔
(۲) حضرت فاطمہ زہراؓ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت امام حسینؑ کی والدہ معظمہ
(۳) حضرت شہر بانوؓ۔ حضرت امام حسینؑ کی زوجہ محترمہ۔
(۴) حضرت زینبؓ۔ حضرت امام حسینؑ کی ہمشیرہ۔ حضرات عون ومحمد کی والدہ معظمہ
(۵) حضرت صغریٰؓ۔ حضرت امام حسینؑ کی صاحبزادی جنہیں امام حسینؑ سفر کربلا میں اپنے ساتھ نہیں لائے۔
(۶) حضرت سکینہؓ۔ حضرت امام حسینؑ کی دوسری صاحبزادی جو آپکے ساتھ کربلا میں موجود تھیں۔

(۷) حضرت کبریٰ رض حضرت امام حسین کی صاحبزادی (جنکی بابت مرثیہ نگار روئے کہا ہے
آپکا کربلا میں حضرت قاسم (حضرت امام حسن کے صاحبزادے) سے عقد ہوا تھا۔
(۸) حضرت ام کلثوم رض۔ حضرت زینب رض کی بہن۔
(۹) فضہ۔ ایک لونڈی جو حضرت امام کے ساتھ گئی۔
(۱۰) طوعہ۔ کوفہ کی ایک عورت جنکے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے حضرت مسلم کو
پناہ دی تھی۔
(۱۱) رقیہ رض۔ حضرت مسلم رض کی زوجہ۔
(۱۲) عبدالسلام و محمد رض۔ حضرت مسلم رض کے دو صاحبزادے جو میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔

فریقِ مخالف

(۱) یزید۔ بنی اُمیہ کا ایک بادشاہ جس کی وجہ سے واقعہ کربلا ہُوا۔
(۲) ابن زیاد۔ گورنر کوفہ۔
(۳) عمر ابنِ سعد۔ یزید کی فوج کا سپہ سالار۔
(۴) شمر۔ قاتل حضرت امام حسین۔
(۵) خولی۔ نیزہ برداروں کا سردار جس نے حضرت امام کے سر مبارک کو نیزہ پر بلند کیا تھا۔
ارزق شامی۔ شام کا ایک مشہور پہلوان جو حضرت قاسم کے ہاتھ سے معہ
اپنے چار بیٹوں کے مارا گیا۔

حضرات عون ومحمد

حضرت زینب (حضرت امام حسینؑ کی ہمشیرہ) کے صاحبزادے جو شہادت فرزندان مسلم کے بعد فوج قاہرہ سے نبرد آزما ہوئے۔ اور حفظ ناموس اسلام کی خاطر جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ عام مرثیہ گویوں کے نزدیک یہ دونوں شہزادے اس وقت سبزہ آغاز اور عمر کے اس درجہ میں تھے جو بچپن اور شباب کے بین بین ہے مگر دس بارہ سال کے بچوں کا حالت تشنگی و ابتلا میں ایک منظّم و مسلّح فوج سے شجاعانہ جنگ کرنا نہ صرف یہ بلکہ غنیم کو اکثر موقعوں پر پست و بیکار کر دینا یہ ایک ایسا واقعہ ہے جسکی تاویل شاعرانہ اسلوب بیان کے سوا اور کہیں نہیں مِل سکتی۔ دوسری بات جو دورانِ مطالعہ میں ہر ہر سطر سے قارئین پر ایک خوشگوار حقیقت کی طرح منکشف ہوتی ہے وہ حضرت زینب کا قابلقدر ایثار اور انکی بے لوث و بے نظیر خواہرانہ محبّت ہے۔ جو آخر کار مہرِ مادری پر غالب آجاتی ہے۔ اسکے علاوہ مختلف شعرائے جن جن خصوصیات کو نمایاں کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:۔

حضرات عون و محمد کا اشتیاق جنگ۔

علم کے حاصل کرنے کی کوشش۔ علم نہ ملنے پر اظہار آزردگی۔ اِس موقعہ پر حضرت زینب کی دونوں صاحبزادوں سے طنزیہ گفتگو۔

حضرت زینب کی سفارش اور حصول اذن جنگ۔

غنیم سے مقابلہ معرکہ آرائی اور حصول مرتبہ شہادت۔

دونوں صاحبزادوں کی لاشوں پر حضرت زینب کی گریہ وزاری۔

حضرت فصیح لکھنوی

حضرات عون و محمد کو میدانِ جنگ کی طرف آتے دیکھکر لشکر شام کے

سپاہی اسطرح چہ میگوئیاں کررہے ہیں۔

پیٹھ پر شملے ہوا سے پڑے لہراتے ہیں
دیکھو کس شان سے میداں میں چلے آتے ہیں

دونوں چہروں پہ ہے کیا جوشِ جوانی کی بہار | رات بھر جاگے ہیں آنکھوں سے ہویدا ہے خمار
ہیں بہت پیاسے جو منہ کھولے ہیں شکل سوفار | ہونٹ ہیں چاب رہے غیض کے مارے ہر بار

نہیں لڑ سکنے کے پانی نہ اگر پاوینگے[1]
دھوپ جب تیز ہوئی پیاس سے مرجاوینگے

خوب لڑتا ہے وہی جمع رہیں جس کے حواس | کیا لڑیگا کوئی جب دھوپ ہو اور بھوک پیاس
ہائے گر اپنے بزرگوں کے کریں نام کا پاس | اسدِ حق[2] کے نواسے ہیں نہ لائینگے ہراس

کچھ تو سمجھے ہوئے ہیں جب تو ادھر آتے ہیں
ان میں جوہر تو شجاعت کے نظر آتے ہیں

ذکر یہ تھا کہ جھکے فوج پہ وہ دونوں جوان | خوب تلوار کی میداں میں مچایا گھمسان
کائی سی پھٹ گئی وہ فوج مخالف ہر آن | لوگ لشکر کے لگے کہنے یہ فریاد و فغاں

کہنے کو لڑکے ہیں پر صاحب شمشیر ہیں یہ
بخدا لشکرِ شبیر کے دو شیر ہیں یہ

---

[1] یاد رکھے مرجاوینگے۔ اب ان کی بجائے پائینگے۔ مرجائینگے بولا جاتا ہے [2] اسد حق سے مراد حضرت علی ہیں

ادھر دونوں جری آپس میں کہہ رہے تھے - ایسا شاندار حملہ کیا جائے
کہ یہ لوگ ہمیشہ یاد رکھیں ؂

آج یہ حیدریوں کی بھی لڑائی دیکھیں
بنی ہاشم کے بھی ہاتھوں کی بھی صفائی دیکھیں

پاس والوں کی تو چلتی تھی پیاپے شمشیر   مارتے دور سے تھے نیزے جو بیٹھے بے پیر
دور تر اُن سے بھی جو تھے وہ لگاتے تھے تیر   شفق خون میں ڈوبے تھے وہ دو ماہِ منیر

زخموں میں بے گلے تلواروں کی تھی لوٹ رہے
دونوں وہ ایسے بدن تیروں سے تھے پھوٹ رہے

مارے تلواروں کے ٹکڑے تھا بدن سر تا پا   ضعف ایسا تھا کہ آنکھیں بھی نہ ہو سکتی تھیں وا
ہاتھ سے قبضہ شمشیر ولیکن نہ چھٹا   مرتے مرتے بھی رہا اُن کو شجاعت کا نشا

نہ گرے خاک پہ اسوار وہ مغموم رہے
آنکھوں کو بند کئے گھوڑوں پہ تھے جھوم رہے

دیکھا اعدا نے کہ گرتے نہیں یہ دونو سوار   پے کئے آن کے ان دونوں کے تازی رہوار
گھوڑے جس وقت لگے گرنے ہوئے وہ ناچار   جب گرے خاک پہ اُس دم یہ ہوئی رن میں پکار

کاٹ لو دونوں کے سر چہروں کو گلرنگ کرو
دونوں گھوڑے بھی بہت زخمی ہیں چو رنگ کرو

بڑے بھائی نے تب اس وقت یہ چھوٹے سے کہا   جلد اے بھائی مرے آ کے گلے سے لگ جا

۱۵ اسوار یعنی سوار - ۲ و ۳ و ۴ و ۵ پے کرنا ٹانگیں کاٹ دینا - گلرنگ کرنا - خون میں
نال کرنا - چو رنگ کرنا - تلوار کا ایسا ہاتھ مارنا جس سے چار ٹکڑے ہو جائیں -

مرتے مرتے بھی رہے اپنی رفاقت کا مزا — سر بھی کٹ جائیں مگر تن نہ ہوں آپس سے جدا

جس گھڑی رونے کو ان لاشوں پہ آئیں ماموں

نہ جدا دیکھیں ہم آغوش ہی پائیں ماموں

آخرکار دونوں شہید ہو جاتے ہیں۔ غنیم کے لشکر میں نقارہ فتح بجنے لگتا ہے۔

ناگہاں فوجِ ستمگار نے نعرے مارے — ڈہل فتح بجا کھل گئے پرچم سارے

سنکے رونے لگے سب اہل حرم بیچارے — رو رو زینب نے کہا مر گئے میرے پیارے

نوبتیں بجتی ہیں آواز ہے نقاروں کی

کوئی تو جاکے خبر لائے مرے پیاروں کی

سنکے میداں کو چلے گھوڑے کو دوڑا کر شاہ — دونوں تن خاک پہ لیٹے ہوئے دیکھے ناگاہ

رو رو اس وقت لگے کہنے کہ سبحان اللہ — کیسی ان دونوں نے آپس میں نباہی[1] چاہ

سر بھی کاٹے گئے گردن میں مگر ہاتھ رہے

جیتے جی ساتھ رہے مرنے پہ بھی ساتھ رہے

حضرت امام شہید بھانجوں کو خاک و خون میں غلطاں دیکھکر مضطر و بیقرار ہو رہے ہیں۔

حضرت علی اکبر و عباس و قاسم اس غم میں آپکے شریک ہیں۔

پھر یہ اکبر سے کہا شاہ نے آؤ بیٹا — ایک میں گود میں لوں ایک کا لاشہ تو اٹھا

تا کہ اکبر نہ ہوے لاشے وہ آپس سے جدا — اس گھڑی سید مظلوم نے بیٹے سے کہا

---

[1] چاہ نباہنا۔ آخری وقت محبت و وفاداری پر قائم رہنا۔

دونوں لاشوں کو اسی شکل سے لیجاؤنگا
دونوں کا پیار یہ زینب کو میں دکھلاؤنگا

میدان میں پہنچ کر دونوں مقدس لاشے جس طرح حرم سرا میں اٹھا کر لائے جاتے ہیں۔ اس کا دردناک نقشہ ذیل کے بند میں کھینچا گیا ہے۔

اکبر و شہ نے اٹھا ان کو لیا کاندھوں پر — سر کی جانب تھے پدر پاؤں کی جانب اکبر
ہاتھ میں حضرت عباس کے دونوں کی کمر — چلے قاسم بھی عمامہ لئے اور تیغ و سپر
بندگردن کی رگوں کا نہ لہو ہوتا تھا
شۂ مظلوم کا تر سینہ و رو ہوتا تھا

حضرت زینب کی بےنظیر خواہرانہ محبت قابل لحاظ ہے اپنے نورس جگر پاروں کے لاشے امام حسین کے کاندھوں پر دیکھ کر مہر مادری پر بہن کی محبت غالب آجاتی ہے۔

الغرض خیمہ میں جس وقت کہ آپ پہنچے امام — تر بتر خون میں تھے اکبر و شبیرؑ تمام
دیکھکر لاشوں کو خیمہ میں ہوا اک کہرام — زینب خستہ نے رو رو کے کیا شہ سے کلام
دونوں لاشے لئے کیوں آپ اٹھانے بھائی
صدقے میں دکھنے لگے ہونگے شانے بھائی

حضرت امام حسین حضرت زینب سے دونوں بھائیوں کی جلادت و شجاعت کا حال بیان کر کے لاشوں کو کاندھوں سے اتارتے ہیں۔ حضرت زینب دونوں بیٹوں کے خون آلودہ لاشوں کو دیکھ ان سے اپنی ممنوعیت

سلہ ہونگے بھی ہونگے۔ پرانی زبان ہے۔

کا اظہار کرتی ہیں۔

تم سے جیسا کہ خوشی میں ہوئی خوش ہو خدا آج مجھ ماں کا جو حق تھا وہ کیا تم نے ادا
دودھ جو تم کو پلایا تھا وہ میں نے بخشا تم نے ٹھنڈا کیا اس وقت کلیجہ میرا

تم کو فردوس میں دو باغ مبارک ہوئیں
ہم کو دنیا میں یہ دو داغ مبارک ہوئیں

میں نے جو منتیں مانی تھیں ہوئیں سب پوری تم کو کیا رتبے شہادت کے ملے جی ہے خوشی
مجھ کو یاد آتی ہے پر دونوں کی جب تشنہ لبی کیا کہوں ہوتی ہے جو کچھ مرے کالت جی کی

وقت مرنے کے عجب پیاس کی شدت ہوگی
دن میں گرمی کی بہت دھوپ کی حدت ہوگی

تم پہ میں صدقے ہوئی اے مرے مردان مصاف پشت پر زخم نہیں سینہ سپر ہیں تا لب ناف
خاک زلفوں میں بھری ہے میں کروں کیونکر صاف ماں کی تقصیر کو اے غازیو تم کیجو معاف

دھوپ میں خوب جلے ہیں جو دھکتے ہیں بدن
واہ کیا بوئے شہادت سے مہکتے ہیں بدن

کیسے نھے حکم کے تابع مرے دونوں محبوب کیسے تھے چاند سے رخ کیسے تھے تن خوش اسلوب
کیا دلاور تھے کہ جاتے ہی گئے فوج میں ڈوب سرخرو ماں سے ہوئے ماں ہوئی ان سے محجوب

کس کے بیٹوں نے بھلا کی ہے اطاعت ایسی
تب تو اللہ نے دی ان کو سعادت ایسی

لہ ہوے اور ہوئیں یعنی ہو۔ اور ہوں پرانی زبان ہے۔ ۲ مہکنا خوشبو دینا۔
۳ فوج میں ڈوب گئے یعنی صف لشکر میں جا گھسے۔

نوبتیں اُنکے لئے بجتی ہیں دیکھو رن میں	زخم شمشیر کے ہیں ہار پڑے گردن میں
خون میں ڈوبے نہیں رنگ کھلے ہیں تن میں	لاشے مت سمجھو بھری گل ہیں مرے دامن میں

جان زینب کی ہوئی دونوں سروں کے صدقے
اماں ان زخمیوں لوہوں میں بھروں کے صدقے

حضرت ضمیر

حضرت امام حسین شہید بھانجوں کے لاشے میدانِ کارزار سے اٹھوا کر خیمہ کی طرف آ رہے ہیں۔ راہ میں سقائے علمدار سے ارشاد ہوتا ہے۔

ان شجاعوں کی ہے معلوم مجھی کو توقیر	دونوں شیروں نے پیا ہے میری ہمشیر کا شیر
یہ فدا مجھ پہ ہوئے ان پہ فدا ہو شبیر

اسی سلسلہ میں کہتے ہیں۔

جس گھڑی جنگ میں مصروف تھے یہ غیرتِ ماہ	بھائی تم قاسم و اکبر بھی کرتے تھے نگاہ
ان کی جرأت ہوئی جاتی تھی زیادہ واللہ	دونوں ہاتھوں پہ یہ کہتے تھے کہ سبحان اللہ
وار جب عونؑ و محمدؑ کا نظر آتا تھا
ہاتھ ان دونوں کا بیساختہ اٹھ جاتا تھا

بولے عباسؑ کہ اے راحتِ جانِ حیدرؑ	فی الحقیقت کہ لڑے ایسا ہی زینبؑ کے پسر
شہ نے عباس سے فرمایا یہ بادیدۂ تر	چل کے خیمہ میں بیان کیجئے انکے جوہر

۱ لوہو۔ لہو پرانی زبان ہے ۲ نگاہ کرنا دیکھنا

رن میں اب ان سے زیادہ کوئی کیا کام کرے
آرزو ہے مجھے اکبر جو مرا نام[1] کرے

اتنے میں حضرات اکبر و قاسم نے امام عالیجاہ سے کہا۔ کہ لاشیں خیمہ کے نزدیک آن پہنچی ہیں اندیشہ ہے کہ جوش بیتابی میں حرم خیمہ سے باہر نہ نکل آئیں یہ ہوش آزما نظارہ ہمسے نہ دیکھا جائیگا۔

رونے دینگے کف افسوس بھی ملنے دینگے
جیتے جی خیمے سے اپنے نہ نکلنے دینگے

کہکے یہ قاسم و اکبر نے اٹھایا گھوڑا[2] پونچھتے جاتے تھے شملوں سی عرق چہرے کا
پہنچے جب متصل خیمۂ شاہ دوسرا در پہ سب عترت اطہار کو یکجا دیکھا

آمد عون و محمد کے بیاں ہوتے ہیں
منتظر لاشوں کے سب اہل حرم روتے ہیں

جاکے نزدیک کیا قاسم و اکبر نے جو دھیان دونوں نے حضرت زینب کو نہ پایا اس آن[3]
کہا بانو سے تب اکبر نے بچشم گریاں پھوپھی صاحب نظر آتی نہیں اے اماں جان

کہا بانو[4] نے کہ وہ دیر سے طاعات میں ہیں
دختر فاطمہ مصروف مناجات میں ہیں

جب سے دونوں سوے میدان سدھارے ہیں پسر تب سے زینب نے بھی سجدے سے اٹھایا نہیں سر[5]
اپنے خالق سے دعا کرتی تھی یہ رو رو کر میں نے بھیجے ہیں تیری راہ میں دو نور نظر[6]

---

[1] نام کرے۔ شہرت حاصل کرے [2] گھوڑا اٹھانا۔ گھوڑے کو بگٹٹ دوڑانا۔
[3] آن یعنی وقت۔ [4] بانو حضرت شہربانو حضرت امام حسین کی زوجہ محترمہ۔
[5] سجدے سے سر اٹھانا نماز سے فارغ ہونا۔ [6] نور نظر مراد بیٹے

خوب اعدا سے لڑیں اور نہ شمشیر بھی ہوں
تا کہ غازی بھی ہوں اور فدیۂ شبیر بھی ہوں

دونوں لاشیں خیمہ حرم میں لائی گئیں تو کہرام مچ گیا۔ حضرت زینب نے سجدے سے سر اُٹھا کر پوچھا۔ کہ یہ شور و غل کیسا ہے۔ جواب ملا۔ آپ کے دونوں صاحبزادوں کی لاشیں آتی ہیں۔ وفادار بہن نے سب سے پہلا سوال یہ کیا جلد بتلاؤ۔ کہ بھائی تو سلامت آئے۔ بھائی کی خیریت دریافت کرنے کے بعد بیٹوں کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اور حضرت علی اکبر و عباس سے کہا:۔

صاحبو اب درِ خیمہ پہ ذرا جاؤ تم — دونوں لاشے مرے پیاروں کے اتروا دو تم
ہاتھوں ہاتھ ان کو امانت کی طرح لاؤ تم[1] — بوجھ سارا نہ مرے بھائی پہ چھوڑ آؤ تم

پرخبردار وہ نازوں کے مرے پالے ہیں
لانا آہستہ کہ زخم ان کے ابھی آلے ہیں

پر یہ لاشے ابھی رکھو مری نظروں سے نہاں — بلکہ میں بند کئے لیتی ہوں آنکھوں کو یہاں
بھائی سے ان کی شجاعت کے سنونگی جو بیاں — پھر میں دیکھونگی بھی روؤنگی بھی ہونگی قرباں

یوں تو ہیں دونوں کو زنہار نہیں دیکھنے کی
بیبیو! آخری دیدار نہیں دیکھنے کی

لاشیں خیمہ کے اندر لائی جاتی ہیں۔ حضرت امام حسین سے حضرت زینب دریافت کرتی ہیں۔

ملہ ہاتھوں ہاتھ امانت کی طرح لانا نہایت محبت و احتیاط سے لانا۔ زخم آلے ہیں۔ زخم تازے ہیں۔

جا کے میدان میں کس طرح یہ محبوب لڑے
یہ تو کہئے کہ غلام آپکے یہ خوب لڑے

امام جواب میں فرماتے ہیں :-

ان کے لڑنے کا نہ احوال اخی سے پوچھو
تم قسم دے کے یہ عباس علی سے پوچھو

تب مخاطب ہوئی عباس سے زینب اکبار — لگی فرمانے کہ اے شاہ نجف[۱] کے دلدار
بھانجوں کی تو کرو مجھ سے شجاعت اظہار — بولے عباس[ع] کہ دیکھی نہ سنی یہ تلوار[۲]

جو نہ پہچانتے تھے انکو وہ پہچان گئے
عونؑ و جعفرؑ کو شجاعان عرب مان گئے

اُک بلندی پہ کھڑا تھا جو یہ سینہ افگار — سب نظر آتا تھا جس وقت کہ چھٹتا تھا غبار[۳]
رن میں تھیں فرش صفیں اوپرے تھے مسمار — تھے سواروں پہ پیادے تو پیادوں پہ سوار

ہو کے دو ٹکڑے زمین پر جو کوئی گرتا تھا
نصف اِدھر گرتا تھا اور نصف اُدھر گرتا تھا

بچھ گئی صف ہوئے متہر[۴] و علم میداں میں — کثرتِ فوج عدو ہوگئی کم میداں میں
پس گئے سینکڑوں سر زیرِ قدم میداں میں — ڈر کے مارے کوئی لیتا تھا نہ دم میداں میں

بولی زینب کہ یہ سب شاہ امم دیکھتے تھے
کہا شبیر نے واللہ یہ ہم دیکھتے تھے

---

۱ شاہ نجف سے مراد حضرت علی ہیں ۲ دیکھی نہ سنی یہ تلوار - ایسے بہادر کبھی نہیں دیکھے -
۳ غبار چھٹنا - غبار کا دور ہو جانا ۴ متہر ہونا - ڈھیر لگنا -

مرے آگے ہی گرے اُنکے نشان کٹ کٹکر　　مرے آگے تہ و بالا ہوا سارا لشکر
مرے آگے ہی گری برقِ اجل اعدا پر　　تھا یقین مجھ کو ہوئی اب مہم اس جنگ کی سر

چاہتا تھا کہ کروں ضبط نہ چپ رہتا تھا
پوچھو اکبرؑ سے میں ہر بات پہ کیا کہتا تھا

پھر مخاطب ہوئی عباس سے زینبِ خوشخو　　بولی اب خاتمۂ جنگ کا کچھ حال کہو
کہا عباس نے تم انکے ارادے تو سنو　　بھائی سے بھائی یہ کہتا تھا کہ آگے ہی بڑھو

تھے بہت دور تو کچھ دل کی نہ کہہ سکتے تھے
ماموں صاحب کو یہ مڑ مڑ کے مگر تکتے تھے

اور یہ حالت تھی۔ کہ

ہر گھڑی عون پہ آتا تھا محمدؑ کو پیار　　عونؑ ہر مرتبہ ہوتا تھا محمدؑ پہ نثار
پھیر کر فوج کو اس پار سے اس پار گئے　　میں نے خود دیکھا کہ دریا پہ کئی بار گئے

اس کے بعد

ذکر عباسؑ نے دریا پہ جو جانے کا کیا　　رنگ فق ہو گیا سنتے ہی اسے زینب کا
دل میں سوچی کہ ابھی طفل تھے یہ ماہ لقا　　اور دو روز سے پانی بھی نہیں پایا تھا

لڑتے لڑتے نہ کہیں پیاس سے گھبرائے ہوں
اور پانی کہیں دریا کا نہ پی آئے ہوں

لغت: تہ و بالا ہونا ۔ تتر بتر ہونا۔ مہم سر ہونا۔ جنگ کا فتح ہونا۔ رنگ فق ہونا۔ چہرے کا رنگ اترنا

حیف ہے قاسم و اکبر تو رہیں تشنہ جگر　　اور سیراب ہوں بیٹے مرے جا دریا پر[1]
متصل آن کے عباس کے با دیدۂ تر　　یوں کہا حضرت زینب نے قسم دے دیگر
پانی تو پی نہیں حیدر کے نواسے آئے
بولے عباس کہ پیاسے گئے پیاسے آئے

اسی سلسلہ میں
ارشاد کرتے ہیں کہ اگرچہ یہ نونہال عمر میں چھوٹے ہیں
مگر دوران جنگ میں

یہ نہ تھا دھیان کہ تلوار کہاں تن پہ پڑی　　کہنے کی بات ہے وہ دونو لڑے چار گھڑی
زخم کھا کھا کے جز دونوں پڑھے جاتے تھے　　دمبدم آگے ہی کو رن میں بڑھے جاتے تھے

حضرت امام حسین حضرت زینب سے فرماتے ہیں۔
دور سے پھینکتا تھا جو کہ مری سمت کو تیر　　غول میں مارتے تھے جا کے اسی کو شمشیر
چھوٹا بھائی یہی کرتا تھا بڑے سے تقریر　　دیکھ لو پھر کے سلامت تو ہیں ماموں شبیر
تشنہ کامی کے سبب جنگ میں جب تھکتے تھے
پھیر کر چاند سا منہ میری طرف تکتے تھے

[1] جا دریا پر۔ دریا پر جا کر۔

گرچہ کیا عمر تھی کیا زور تھا کیا تھی طاقت حق نے دی تھی مگر ان دونوں کو ایسی ہمت
دوڑ کر ایک لگائی جسے پوری ضربت ہائے کرنے کی قضا نے نہ اسے دی فرصت
گر زرہ پوش کو ماری تو زرہ کاٹ گئی
نیزے پہ بیٹھی تو نیزے کی گرہ کاٹ گئی

کبھی فرط محبت سے ہیں ان کے قریب چلا جاتا۔ تو

جوڑ کر ہاتھوں کو یوں کہتے تھے وہ دونوں حبیب خیمہ میں جاؤ خدا کے لئے اے شاہِ غریب
ماں کو ہم دونوں کی سمجھاؤ کہ چلاتی ہے دھیان[1] بٹتا ہے جو مادر کی صدا آتی ہے

آخر نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کے بدن زخموں سے لالہ زار ہو گئے۔

چاند سی شکلیں لہو میں ڈوب گئیں۔

رنگ میں لعل بدخشاں[2] سے جو تھے ہونٹھ فزوں خوشنما لگتی تھی ان ہونٹوں پہ کیا سرخی خوں
زخمی اُن چہروں کی کس منہ سے میں تعریف کروں خوبصورت نہیں ہوتے کسی حالت میں زبوں
چہرے از بسکہ خوش اسلوب تھے ان پیاروں کے
منہ پہ کیا زخم بھلے لگتے تھے تلواروں کے

چھوٹی چھوٹی زرہیں خون میں ڈوبی[3] تھیں تمام پہنے تھے گل کی قبا جیسے کہ وہ گل اندام
برق سی دونوں کے ہاتھوں میں چمکتی تھی حسام آنکھ[4] دونوں سے ملا سکتا نہ تھا لشکر شام
ہٹ کے پیدل سے سواروں کی طرف جاتے تھے
دونوں ہر بار ہزاروں کی طرف جاتے تھے

[1] توجہ منتشر ہو جاتی ہے [2] بدخشاں ایک ملک ہے۔ جہاں کے لعل و جواہر مشہور ہیں۔
[3] خون میں لتھڑی ہوئی تھیں [4] بجلی کی طرح [5] مقابلہ نہ کر سکتا۔

اسی سلسلہ بیان میں ارشاد کیا

کیا دلیرانہ لڑے ان میں وہ دونوں دلدار — جسنے منہ کھول دیا اسکو نہ ماری تلوار
نہ بہت دیکھتے تھے فوج نہ کم دیکھتے تھے — وار کر چلتے تھے تو تیغوں کا دم دیکھتے تھے

اگرچہ فنون جنگ سے ناواقف تھے۔ مگر

اے حسن کیا کہوں تجھے تیرے پسر کیسے جری — فی الحقیقت وہ بہادر تھے شجاع ازلی
سارا لشکر کھڑا ان دونوں کا منہ تکتا تھا — جنگ نادیدہ انہیں کوئی نہ کہہ سکتا تھا

پھر جوش محبت میں ارشاد کیا۔

انکے ہاتھوں کی صفائی پہ یہ ماموں صدقے — پہلے یکتا تھے نہ تلواروں کے لوہو[۱] میں بھرے
ویسے ہی نیزے تھے اور تھا پیچ و خم ویسا ہی — اتنے سر کاٹنے پہ تھا تیغوں کا دم ویسا ہی

مگر

عون کی چھاتی سے جس وقت گیا نیزہ نکل — میرا دل ہو گیا اس وقت نہایت بیکل
مجھے کہنے لگا اس طرح وہ گھوڑے پہ سنبھل — آپ گھبرائیں نہ پہونچا نہیں کچھ مجھ کو خلل
صدقے کرنے کے لئے جان ابھی باقی ہے
سر کٹا دینے کا ارمان ابھی باقی ہے

دونوں میں لشکر کیں آن کے حائل جو ہوا[۳] — بڑا آگے کو بڑھا رہ گیا پیچھے چھوٹا
بھائی کے پاس تڑپنے کو بہت وہ تڑپا — جنگ مغلوبہ کے باعث اُسے رستہ نہ ملا
پشت تازی پہ بڑے بھائی کو جب غش آیا
چھوٹا کچھ دور تھا اس دم وہ بہت گھبرایا

۱؎ لہو۔ ۲؎ شان و شوکت ۳؎ درمیان گھسنا۔

اور بڑے بھائی کو آواز دیکر کہنے لگا۔ بھائی جان گھبرانا نہیں۔

یہ سخن کہتے ہی گھوڑے کو ڈپٹ کر پہونچا
چیر کر فوج کو بھائی کے برابر پہونچا

بڑے نے غشی کی حالت میں

چھوٹے بھائی کی سنی جبکہ صدائے جانکاہ غش سے تب کھولدیں اُس زخمی نے آنکھیں ناگاہ
پڑگئی بھائی کے چہرے پہ جو بھائی کی نگاہ آنکھوں سے خون بہا کہنے لگا کھینچ کے آہ

اترو تم گھوڑے سے اور مجھ کو اتارو بھائی
کام آخر ہوا ماموں کو پکارو بھائی

امام پاک نے فرمایا کہ جونہی یہ دردناک صدا میرے کان میں پہنچی

کانپ اٹھا سنتے ہی سینے میں کلیجہ میرا[1] چیر کر فوج کو ان لاڈلوں تک جا پہنچا
جب میں واں پہنچا تو چھوٹے کا بھی کام آخر تھا ایک کا زانو تھا اور ایک کا زخمی سر تھا

جس وقت بھانجوں کی خون آلودہ حالت دیکھی۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے مگر میں نے ضبط سے کام لیا۔ رومال نکالا۔ اور

خاک سے صاف کئے چاند سے رخسار اُنکے
پونچھے پھر خوں سے بھرے ابروئے خمدار اُن کے

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ

بیٹوں کا حال سنا بھائی کے منہ سے جس دم شکر اللہ کا زینب لگی کرنے پیہم
پھر یہ کہنے لگی بھائی سے بصد حسرت و غم آپ ان لاشوں کو لے آئیں یہاں شاہ امم

---

[1] دل لرز گیا۔

حضرت نے ارشاد فرمایا۔ کہ بہن صبر سے کام لو۔

لاشوں کے پاس میں اکبر کو بٹھا آیا ہوں
ترے سمجھانے کو گھبرا کے چلا آیا ہوں

پھر فرمانے لگے۔

اک ذرا صبر تو کر رن کو پھر اب جاتا ہوں ۔ اور اُن لاڈلوں کی لاشوں کو لے آتا ہوں
اُنکے منہ خون سے ڈوبے ہوئے دکھلاتا ہوں ۔ پر میں کیا خاک انہیں لاؤں کہ شرماتا ہوں

ٹکڑے[1] چھاتی میری ہوتی ہے جو تو روتی ہے
سامنے[2] تیرے مری آنکھ نہیں ہوتی ہے

حضرت زینب نے کہا۔ ہائیں یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ کیا علی اکبر کو تنہا میدان جنگ میں چھوڑ آئے ہیں۔ اگر صاجزادہ بھی زخمی ہوگیا۔ تو غضب ہو جائیگا۔ اور جوش اضطراب میں کہنے لگیں

نہ کرے حق جو کہیں ہوگیا اکبر زخمی ۔ سامنے بانو کے ہوگی نہ کبھی آنکھ مری
بیبیاں ہونگی جو باہم کرینگی ذکر یہی ۔ زخمی زینب کے لئے ہوگیا ہمشکل نبی

لاشوں پر بھانجوں کی شاہ نہ گر چھوڑ آتے
جیتے جی باپ کے پھر زخم نہ اکبر کھاتے

امام عالیمقام میدان کارزار کی طرف روانہ ہوتے ہیں

شاہ نے جاتے ہی میداں سے اٹھائے لاشے ۔ پیٹھ پر گھوڑوں کی پھر ڈال کے آئے لاشے
صحن میں خیمۂ اقدس کے لٹائے لاشے ۔ کہا زینب سے کہ لو بیٹوں کے لائے لاشے

---

[1] میرا برا حال ہوتا ہے۔ [2] میں شرم کے باعث آنکھ نہیں ملا سکتا۔

تم کو ارمان تھا لو بیٹوں کے صدقے ہو لو
بال مت کھولیو پر کھول کے[1] دل کو رو لو

پہلے تو ظالموں سے کرتے رہے بھی یہ ہتھیار
اُن پہ جب ٹوٹ پڑی آن کے فوج کفار
متصل پڑنے لگی دونوں کے اوپر تلوار
چھوٹی چھوٹی زرہیں دونوں نے تب ڈالیں اُتار

کہتے تھے حربے یہ بے آڑ جو کھاتے ہیں ہم
لذت زخم حقیقت میں اُٹھاتے ہیں ہم

یہی وہ منچلے شبیر ہیں جنہوں نے صفوف غنیم سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔

ظالموں تم میں سے ہو جسمیں شجاعت کا اثر
آج تلوار پکڑ صف سے وہ نکلے باہر
پانی جو پی چکا ہو آکے وہ پیاسوں سے لڑے
جسکو دعویٰ ہو وہ حیدر کے نواسوں سے لڑے

یہ سُنکر حضرت زینب اشکبار ہو جاتی ہیں امام تلقین فرماتے ہیں

اب یہ ملتے کے نہیں پیٹنا لا حاصل ہے
لاشے چھاتی سے لگائے بھی تو کیا حاصل ہے

مگر ماں کی مامتا بھی غضب ہوتی ہے۔ بچوں کے کٹے ہوئے ہاتھ دیکھکر حضرت زینب کا دل بھر آتا ہے۔ انگلیاں چوم کر کہتی ہیں

؎ ان کٹے ہاتھوں کے قربان گئی یہ مادر

اور ؎

زخمی لب دیکھکے یوں کہنے لگی وہ دلگیر
انہیں ہونٹوں سے پیا کرتے تھے تم میرا شیر
صدقے ہو جائے یہاں میرا بڑا نام کیا
میں نے جس واسطے پالا تھا وہی کام کیا

[1] اچھی طرح رو لو۔ کہ دل کی بھڑاس نکل جائے۔

حضرت خلیل

اے طبع رسا انجمن آرائے سخن ہو
اے ذہن وذکا محو تماشائے سخن ہو
اے پیر خرد عاشق و شیدائے سخن ہو
اے منزل دل طور تجلائے سخن ہو
صورت نظر آجائے دل آرام سخن کی
ہو جلوہ گری بزم مضامین میں دلہن کی

یارب شجر طبع کو پھر برگ و ثمر دے
دامان مضامین گل امید سے بھر دے
دریا کی روانی کا طبیعت میں اثر دے
جو نظم ثریا سے فزوں ہو وہ گہر دے
مضمون سے تری فیض رسانی نظر آئے
سلک دُر دریائے معانی نظر آئے

اسی سلسلۂ مناجات میں مرثیہ نگار حضرات عون و محمد کا سراپا لکھنے کی تمنا ظاہر کرتے ہوئے کیا خوب کہتا ہے۔

کاغذ پہ عیاں اور بیاض سحری ہو
یکجا مہ و خورشید کی اب جلوہ گری ہو

سراپا لکھتے ہوئے نزاکت اندر گلے کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

کہتی ہے نزاکت کہ یہ نازوں کے پلے ہیں
دونوں کے گلے نور کے سانچے میں ڈھلے ہیں

اب یاں سے سنیں اہل عزا اور مضامیں
چلتا ہے گل نظم پہ اب خنجر گلچیں
موقوف ہو اب زمزمۂ بلبل رنگیں
ہوتا ہے عوض اس کے بیا نالۂ غمگیں

آغاز اب احوالِ خرابیِ چمن ہے
مذکور ہموم شہِ آوارہ وطن ہے

کرتے ہیں بیاں واقفِ احوالِ شہادت[1]
جنگل میں فروکش جو ہوئے سرِ اقامت
صحرا میں شگفتہ ہوا گلدستۂ جنت[2]
پہنچی سرِ گردوں گلِ اسلام کی نکہت

خجلت ہو نہ کس طرح بھلا ماہِ مبیں کو
حسرت سے فلک دیکھتا تھا اُس کی زمیں کو

جلوہ تھا عجب لشکرِ شاہِ شہدا کا
غنچہ تھا کھلا دشت میں اربابِ صفا کا
کرتے تھے بصد شوق جو وہ ذکر خدا کا
منھ دیکھتا تھا مہر ہر اک ماہِ لقا کا

کیا صاحبِ ایماں تھے عجب جلوہ گری تھی
بو الفتِ اللہ کی طینت میں بھری تھی

گذری جو یکایک نہم ماہِ محرّم
راحت ہوئی روپوش کھلا دفترِ ماتم
مغرب میں ہوا گوشہ نشیں نیّرِ اعظم
اک دم نظر آیا متغیّر رخِ عالم

بزمِ طرب و عیش پہ آفت عجب آئی
کھولے ہوئے سر شام سے لیلائے شب آئی

بکھرائی شبِ تار نے جب زلفِ مسلسل
ظلمت کا پڑا آئینۂ روز پر آنچل
آندھی کا ہوا زور اندھیرا ہوا جنگل
مہتاب بھی بے نور تھا چھایا تھا جو بادل

[1] "سرِ اقامت" سے مراد حضرت امام حسینؑ [2] "گلدستۂ جنت" سے مراد رفقائے حضرت امام [3] "واں" "وہاں" کی بجائے اب متروک ہے۔

آثار نظر آنے لگے رنج و بلا کے
دل سب کے پریشاں ہوئے جھونکوں سے ہوا کے
جنگل کے درندوں کی صدائیں تھیں غضبناک
ہیبت سے تزلزل میں تھا اُس دم کُرۂ خاک
بچوں کے دہلتے تھے جگر[1] ہوتے تھے صد چاک
بیتاب تھے اس سے حرم سیّد لولاک
تصویر قضا پھرنے لگی سب کی نظر میں
برپا ہوا محشر شہ مظلوم کے گھر میں
کہتے تھے جو شہ معرفت خالق اکرم
مشغول تھے سننے میں بدل مونس و ہمدم
ناگاہ خبر آئی حضور شہ عالم
باقی رہی اسے نیّر دیں رات بہت کم
مغرب کو خمیدہ علم کا ہکشاں ہے
گردش سے ستاروں کے کمی شب کی عیاں ہے

حضرت امام اور ان کے اعیان و انصار مصروف عبادت ہو جاتے ہیں۔ یکایک فوج شام صف آرا ہو کر عزم جنگ کرتی ہے۔

یاں نیّر ایماں[2] کا ہوا رن میں اجالا
گردوں سے ہوا اوج زمیں اور دو بالا
حربوں کو جوانان حجازی نے سنبھالا
صف بستہ ہوا فوج حسینی کا رسالا
جلوہ جو نظر آنے لگا نور خدا کا
غل فرش سے تا عرش ہوا صل علیٰ کا

---

[1] "دہلتے تھے جگر" یہاں خوف کے محل پر مستعمل ہوا ہے۔

[2] "نیّر ایماں" یعنی حضرت امام حسین۔

ہر صف سے عیاں خوبیٔ گلدستۂ اسلام کس حسن سے تھے قلب میں سلطانِ خوش انجام[۱]
تھے داہنے بازو کی طرف اکبرِ گلفام بائیں حسنِ سبز قبا کے تھے گل اندام
اور انسے ادھر حضرتِ زینب کے پسر تھے
نخلِ چمنِ حیدر و جعفر[۲] کے ثمر تھے

جانباز و جری صف شکن و غازی و صفدر عباس کھڑے سامنے ہمشوکتِ حیدر
چتون تھی غضب کی کہ وہلتے تھے غضنفر شانے پہ عَلَم جس سے عیاں صولتِ جعفر
غل تھا کہ ذرا شانِ علمدار کو دیکھو
طوبیٰ کے تلے جعفرِ طیار کو دیکھو

حضرت امام کلمات ارشاد و ہدایت بیان فرماتے ہیں

ہر سمت سے نرغہ ستم ایجاد و نکاحیب ہو جز کلمۂ تکبیر نہ کچھ زینتِ لب ہو۔
تیور سے نہ ظاہر اثرِ رنج و تعب ہو زیرِ خمِ شمشیر بھی شکرِ رب ہو۔
شاکر رہو گو جان کے سودے کی پڑی ہے
فردوس کو جانا ہے تو منزل یہ کڑی ہے

رفقا جواب میں عرض کرتے ہیں۔

منظور یہ دل ہے جو کیا آپ نے ارشاد تا حشر گلستانِ امامت رہے آباد
کیا ڈر اگر سامنے ہے لشکرِ بیداد بیخوف ہیں ہاں گرچہ سوا انکے ہیں تعداد
ہاں خواہشِ دل ہے کہ نہ آقا سے جدا ہوں
سو بار جئیں مر کے تو سو بار فدا ہوں

---

[۱] سلطانِ خوش انجام یعنی حضرت امام حسین [۲] حضرت جعفر حضرت امام حسین کے چچا۔

یاں ذکر یہی تھا کہ میانِ سپہ شام
ظالم نے دیا حکم کھلیں شقۂ اعلام
ناگاہ بجا طبل بڑھی فوجِ بد انجام
تانے ہوئے نیزہ کوئی کھینچے ہوئے صمصام

آغاز لڑائی ہوئی مردانِ خدا سے
گلخن ہوا رن شعلۂ شمشیرِ قضا سے

کس شوق سے مردانِ خدا لڑتے تھے رن میں
بےمثل تھے سب معرکہ آرائی کے فن میں
بولے جو کھلا زخم کوئی عضوِ بدن میں
پایا گلِ مقصود شہادت کے چمن میں

گلگشتِ گلستانِ ارم پیشِ نظر ہے
یہ زخم نہیں نخلِ ریاضت کا ثمر ہے

اکثر رفقا رامام شہید ہو چکے۔ حضرت امام اہلِ حرم سے رخصت ہونے کے لئے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ حضرت زینب اپنے بچوں کو میدانِ جنگ میں جانے کی ہدایت فرما رہی ہیں۔ بچے خوش ہیں۔ اور اپنی ماں یعنی حضرت زینب کی خدمت میں عرض کر رہے ہیں ؛

ہے تو فقط اک آپ کی شفقت پہ یقیں ہے
ماموں سے ملے اذن یہ امید نہیں ہے

خوش ہو کے وہ بولیں کہ یہی چاہیے پیارو
آقا پہ تصدق ہو دل و جان کو وارو
ماموں سے رضا رن کی چلو لیکے سدھارو
بڑھ بڑھ کے جفا کاروں کے سر تن سے اتارو

یہ سچ ہے کہ بھیا تو رضا رن کی نہ دینگے
تم چپکے کھڑے ہو جیو ہم اُن سے کہینگے

حضرت زینب مع بچوں کے حضرت امام کے سامنے جا کر کہتی ہیں کہ ان کے بچوں کو بھی اجازتِ جنگ دی جائے۔ حضرت بکمالِ محبت کی وجہ سے انکار فرماتے ہیں، حضرت زینب کا اصرار بڑھتا جاتا ہے آخر میں اس طرح کہتی ہیں۔

بھیّا تمہیں اب رُوحِ پیمبر کی قسم ہے
جعفر کی قسم صولتِ حیدر کی قسم ہے
دیں رن کی اجازت انہیں شبّر کی قسم ہے
تاخیر نہ فرمائیں مرے سر کی قسم ہے
حاضر ہیں غلامی کو رضا دیجئے بھیّا
ہمچشموں میں نادم نہ انہیں کیجئے بھیّا

حضرت امام مجبوراً اجازت دیتے ہیں

سنکر اسے دونوں ہوئے تسلیم کو خم
لپٹا کے گلے کہنے لگے سیّدِ عالم
ہر چند کہ ہے دل پہ ہجومِ الم و غم
جز شکرِ خدا پر کوئی چارہ نہیں اس دم
ہے اس سے وہ خورسند جو شاکر ہی عزیزو
لو جاؤ خدا حافظ و ناصر ہے عزیزو

شہ سے جو رضا مل گئی پھولے نہ سمائے
آنکھوں میں مسرت یہ ہوئی اشک بھر آئے
دونوں نے اشارے یہ کئے سر کو جھکا کے
قسمت نے زہے بخت کہ دن اب یہ دکھائے
تاخیر مناسب نہیں اب یاں کوئی دم کی
ہاں چل کے خبر لیجئے میدانِ ستم کی

نمبر۲۰ "پھولے نہ سمانا" حد سے زیادہ خوش ہونا۔

کس حسن سے جاتے تھے چلے حور شمائل | خوبی وہ سراپا میں کہ خود حسن تھا مائل
شکلِ مہِ نو تیغچے ننھے سے حمائل | چل پھر سے عیاں شیرِ نیستاں کے خصائل[1]

میداں میں جو یوں برچھیاں کھانے کو چلے تھے
بچپن ہی سے تیغوں کے نیستاں میں پلے تھے

سرتابقدم جلوۂ نورِ شہِ لولاک | رُخ چاند سا ہو جس سے قمر مثلِ کتاں چاک
شملے پہ فدا گوہرِ تاجِ سرِ افلاک | بوٹا سا وہ قد گل سا بدن نور کی پوشاک

پھولا عجب انداز سے گلدستۂ تن تھا
حربوں کی سجاوٹ تھی کہ خوبی کا چمن تھا

دونوں بچے میدانِ کارزار میں پہنچکر اس طرح رجز خوانی کرتے ہیں۔

ڈرتے نہیں ہم لوگ کسی فوج گراں سے | بچپن سے سدا پنجہ کیے شیرِ ژیاں سے
ظاہر برشِ تیغ ہے شمشیر زباں سے | ہٹتے نہیں لڑنے میں دلیرانِ جہاں سے

کھل جائیگی دم بھر میں حقیقت انہی سب کی
تلوار رُکی کس سے شجاعانِ عرب کی

یہ کہکے جو دیکھا طرفِ گنبدِ اخضر | خوش ہو کے یہ کہنے لگے دونوں برادر
دکھلاؤ بس اب تیغ یداللہ کا جوہر | تھوڑا بھی توقف تو بہت شاق ہے دلبر

---

[1] "چل پھر" یا "چلت پھرت" رفتار کی تیزی اور پھرتی کے محل پر بولا جاتا ہے۔ اور حضرات عون و محمد کی نوعمری کے لحاظ سے بالکل صحیح بھی ہے۔ لیکن شیر کی مثال غلط ہے۔ اس لئے کہ شیر کی رفتار میں تیزی اور پھرتی کی جگہ وقار و تمکنت ہوتی ہے تلوار کے لئے یہ لفظ مخصوص ہے۔

لو نیمچے اور لشکرِ اعدا کے قریں ہو
دو سمت سے حملے ہوں کہ برہم صفِ کیں ہو

ذکر آگیا حیدر کی شجاعت کا جو اسدم میداں سے چلے نیمچے تولے ہوئے باہم
پہنچے جو قریبِ صفِ اشرار بیک دم دو سمت جھکے دونوں سرِ لشکرِ ظلم
بگڑے ہوئے تیور تھے شجاعانِ عرب کے
دل خوف سے سینوں میں دھڑکنے لگے سب کے

حملہ تو محمد نے کیا تیغ زنوں پر اور عون گئے تیر سے ناوک فگنوں پر
کچھ بس نہ لعینوں کا چلا گلبدنوں پر بجلی کا گماں ہوگیا ان صف شکنوں پر
دو سمت سے گھیرا تھا جو دو برقِ غضب نے
بچنے کیلئے سر پہ سپر رکھ لئے سب نے

تھا قہر جدھر بڑھ کے گئے گیسوؤں والے انداز و غا دونوں کے تھے سب سے نرالے
پیدل تو سراسیمہ تھے ابتر تھے رسالے تنگوں سے پڑے خاک پہ تھے سینکڑوں بھالے
گویا کہ اک آفت میں پڑی فوجِ شقی تھی
دو سمت سے حملے تھے عجب کشمکشی تھی

آیا جو پئے جنگ محمدؑ کے مقابل دم بھر میں ارادہ ہوا کج فہم کا باطل
شمشیر چمکتے ہی بلا ہو گئی نازل جھپکی جو نظر خاک پہ تھا صورتِ بسمل
سمجھے ہوئے تھا کھیت سے مرہاتھ رہیگا
پر یہ نہ خبر تھی کہ خود آفت میں گھر یگا

گر عون سے لڑنے کو بڑھا کوئی ستمگر جھپٹے یہ ادھر تول کے شمشیرِ دو پیکر

تلوار چلی کیا کہ قضا آگئی سر پر　　دم لینے کی مہلت نہ ملی بخس کو دم بھر
آیا جو زبوں کار تھا ساعت میں زحل کے
منہ لال ہوا اس کا طمانچوں سے اجل کے

واللہ عجب صاحبِ شمشیر تھے دونوں　　لختِ جگرِ شبّر و شبّیر تھے دونوں
پھرتے جو میانِ صفِ بے پیر تھے دونوں　　تمثالِ اسد مائلِ نخچیر تھے دونوں
تلواریں جو سر پنجۂ شو از قضا تھیں
روحیں تہِ قالب سے لعینوں کے ہوا تھیں

وہ نیمچے دونوں تھے کہ پیغامِ قضا تھے　　پرکالۂ آفت تھے قیامت تھے بلا تھے
بجلی سے میانِ سپہِ فوجِ جفا تھے　　بالائے ہوا سینکڑوں سر تن سے جدا تھے
ہر سو شرر افشاں تھے جو خرمن پہ عدو کے
اک آگ بھڑکنے لگی دریا میں لہو کے

ڈھالوں میں چھپے اور کبھی باہر نکل آئے　　تمثال قلم کرکے قلم سر نکل آئے
جب زرغہ میں الجھے تو لچک کر نکل آئے　　فولاد سے ہمصورت جوہر نکل آئے
دو کر کے جسے ڈال دیا بحرِ قضا میں
کشتیِ بقا اس کی چلی سیلِ فنا میں

مغفر سے جو گزرے سرِ سفاک کو کاٹا　　گردن سے جھکے پیکرِ ناپاک کو کاٹا
پر زے کیے زین دامنِ فتراک کو کاٹا　　توسن کو کیا نذر طبقِ خاک کو کاٹا

. . . .

چن چن کے دلیروں سے نمودار کو مارا بڑھ بڑھ کے بداندیشوں کو بدکارونکو مارا
جس صف میں گئے ڈھونڈ کے سردارونکو مارا سفاک سرشتوں کو ستمگاروں کو مارا

اعدا کے لئے قہر تھا آفت تھی ستم تھا
جو رُخ پہ چڑھا تیغ شرر دم کے قلم تھا

سج دھج کو نہ پوچھو کہ پریزاد تھے گھوڑے گھوڑے تھے کہ تھے آہوئے فردوس کے جوڑے
اڑنے میں پرندوں سے کبھی منہ نہیں موڑے بچپن میں نہ کھائے کبھی رفتار میں کوڑے

بجلی کی طرح خوبی گردش کو دکھا کے
تیزی میں نکل جاتے تھے جھونکوں سے ہوا کے

دم لیکے صف کیں میں جدھر جاتے تھے دونوں بیدم کئی نامردوں کو گرا آتے تھے دونوں
کثرت جو بداندیشوں کی کچھ پاتے تھے دونوں دو سمت سے شمشیرونکو چمکاتے تھے دونوں

اس جھیڑ میں جب بھائی سے ملجاتا تھا بھائی
بھائی کی طرف دیکھ کے کھل جاتا تھا بھائی

دونوں بھائی پیاس کی شدت سے بیتاب ہیں۔ چھوٹا بھائی دوسرے سے کہتا ہے۔

جلتا ہے جگر آہ وہ ہے پیاس کی شدت یاد آتی ہے اس دم مجھے اماں کی وصیت
بد ایں عبس یہ رو رو کے مکرر دم رخصت زنہار کہ جو کبھی پانی کی شکایت

تیغوں کے تلے پیاسے ہی مرجائیو پیارو
دریا کی طرف قصد نہ فرمائیو پیارو

کہتا تھا بڑا بھائی کہ قربان برادر سچ ہے دم رخصت یہی فرماتی تھیں مادر

گر کچھ بھی کیا قصد اُدھر یاں سے نکلکر ۔ ہو جائینگی تم دونوں سے آزردہ بفرقہ
بس نام خدا صابرو شاکر رہو بھائی
دریا سے مناسب ہے کنارا[۱] کرو بھائی

چھوٹے نے کہا سُنکے یہ تقریر بہت خوب ۔ ارشاد جو ہوتا ہے یہی دلکو ہے مرغوب
طالب یہ اسی کا ہے جو حضرت کو ہے مطلوب ۔ بس کیجیے حملہ طرف لشکر مغضوب
سر دے کے گزر جائیے تیغوں کے تلے سے
سو جائیے ہاں خاک پہ اب ملکے گلے سے

آپس میں اِدھر تھی یہی تقریر کہ ناگاہ ۔ بچوں کی طرف ٹوٹ پڑا لشکر گمراہ
بدلی جو ہوا کانپ اٹھا عرصۂ جنگاہ ۔ اُنڈی جو یہ گھنگور گھٹا چھپ گئے دو ماہ
ہر سمت سے نرغہ ہوا تشنہ دھنوں پر
تیروں کا برسنے لگا مینہ گلبدنوں پر

پیدل بھی بڑھے صف سے لیے ہاتھ میں بھالے ۔ دو لاکھ ستمگر میں گھرے گیسوؤں والے
پیہم چلے آتے تھے رسالے پہ رسالے ۔ دو چاند یہ آتے تھے نظر سینکڑوں ہالے
شمشیریں جو چلیں گلشن ہستی کے چمن پر
دونوں کے کھلے زخم ہر اک عضو بدن پر

ہر سمت سے پڑنے لگی جو تیغ شقاوت ۔ یکدم متغیر ہوئی معصوموں کی حالت
مل مل کے گلے شوق سے وہ آیۂ الفت ۔ میداں سے ہوئے مائل گلزار شہادت

---

۱ "کنارا کرنا" ۔ علیحدہ ہونا ۔

کس عمر میں اس گلشن ہستی سے چلے تھے
بسمل نظر آتے تھے جو نازوں کے پلے تھے

حضرت امام کو معلوم ہوتا ہے کہ بھانجے مجروح ہو کر گر پڑے، آپ حضرت عباس سے کہتے ہیں :۔

ناموس پیمبر سے ذرا تم رہو ہشیار — جاتے ہیں ہم اس دم طرف عرصہ پیکار
زخمی ہیں وہاں خاک پہ دونوں جگر افگار — ایسا نہ ہو کچھ ظلم کریں اور جفاکار
ہر سمت سے گھیرے ستم ایجاد کھڑے ہیں
بچے مرے تیغوں کے نیستاں میں پڑے ہیں

اکبر ہیں کہاں آئیں چلیں ساتھ ہمارے — فرماتے ہوئے یہ سوئے جنگاہ سدھارے
پہنچے جو قریب صف اعدا یہ پکارے — ہاں خیرہ سرو راہ سے ہٹ جاؤ کنارے
زنہار کرو وار نہ اب تیغ جفا سے
او فرقۂ بے رحم ڈرو قہر خدا سے

ناگاہ یہ سن کر سخن سید ذی جاہ — برپا ہوا غل فوج میں لو آ گئے اب شاہ
مڑ مڑ کے لگے دیکھنے سب فاسق و گمراہ — پاس آئے شہ دیں تو ہٹے چھوڑ کے سب راہ
بچوں کے سرہانے جو شہ بحر و بر آئے
ڈوبے ہوئے دو چاند شفق میں نظر آئے

شکلوں کا یہ عالم تھا کہ تھے خوں سے گلنار — ثابت نظر آئے نہ کہیں جامہ و دستار
کثرت سے پڑی تھی جو بد اندیشوں کی تلوار — ہر عضو بدن سے دہن زخم تھا خونبار
بیجان سے تھے پڑے خاک پہ کملائے ہوئے تھے

دو غنچہ تازہ تھے کہ مرجھائے ہوئے تھے

دیکھی شہِ والا نے جو بچوں کی یہ حالت
گھٹتے ہوئے لاشوں پہ گرے وائے مصیبت
ٹکڑے ہے جگر آہ قیامت ہے قیامت
یہ ظلم و ستم اور یہ سن و سال یہ غربت
کس عمر میں دنیا سے گئے باغِ ارم کو
پیارو یہ بڑا داغِ الم دے گئے ہم کو

حضرتِ امام تقاضائے فطرت کی بنا پر کچھ دیر تک از خود رفتہ رہے
ازاں بعد بچوں کی لاشوں کو اٹھا کر حرم میں لے گئے۔ وہاں مخدرات
میں ایک ہنگامہ ماتم برپا تھا۔ حضرت کی یہ کیفیت تھی

"منہ دیکھ کے ہر ایک کا رونے لگے شبیر"

ہر چند کہ یہ غم ہے ہر اک غم سے فزوں تر
بھائی سے ولے[1] کہتی تھیں یوں زینبِ مضطر
مغموم نہ ہوں آپ کہ خورسند ہے خواہر
قائم صد و سی سال رہیں اکبر و اصغر
کچھ غم نہیں اِن کا مرے دلبند وہی ہیں
میں جانتی ہوں یہ مرے فرزند وہی ہیں

ناگاہ غش آیا کہ گریں خاک پہ یکبار
بےچین ہوئے اور بھی اس سے شہِ ابرار
خاموش خلیل اب کہ لرزتا ہے دلِ زار
مضمونِ الم سنکے ہر اک ہی جگر افگار
رقت ہے کسیکو کوئی خاموش کھڑا ہے
سکتے میں کوئی ہے کوئی بیہوش پڑا ہے

---

[1] ولے: لیکن کے معنوں میں اب متروک ہے۔

حضرتِ تشفی

مناقب حضرت زینب

پہنے ہے بر میں خلعتِ آلامِ فاخرہ گھیرے ہوئے ہے ظلم کی افواجِ قاہرہ
ہوگی جہان میں کوئی زینب سی شاکرہ ہاجر کی طرح بیٹوں کے غم میں ہے صابرہ
زینب کی مدح میں ہیں ثنا خوانِ بتول
مریم ہے اپنے عصر کی وہ ثانیٔ بتول

مرثیہ نگار نے دکھایا ہے۔ کہ حضرت زینب کے تین صاحبزادے ہمراہ آئے تھے۔ جن میں سے ایک کا نام عبداللہ تھا۔

بہن کا جذبۂ محبّت

پیارے کمال گرچہ تھے زینب کو اپنے لال لیکن نہ بھائی سے کوئی پیارا تھا خوش خصال
ماموں پہ بھانجے ہوں فدا تھا یہی خیال کوئی نہ ایسی بات ہو بھائی کو ہو ملال
یہ سہل ہے جو بیٹوں کو جنگل میں کھوؤں میں
لیکن وہ گھڑی ہو جو بھائی کو روؤں میں

جذبات

یہ سوچ سوچ روتی تھی وہ دخترِ بتول جو تینوں بیٹے خیمے میں اہل سے ہو ملول
زینب کے پاس آئے سعادت ہوئی حصول پژمردہ بیٹھے باغ شہادت کے تینوں پھول
مضطر اداس تھے اور رنج سہتے تھے
دل میں ہزاروں باتیں تھیں پر کچھ نہ کہتے تھے

محاکات

مادر نے سمت بیٹوں کے کی یاس سے نگاہ
بے اختیار روا ُٹھے وہ تینوں رشک ماہ
زینب یہ بولی رنج سے کیوں حال ہے تباہ
گو چاہتے تھے یہ کہیں دو اذنِ رزمگاہ
لیکن حجاب سے نہ رضا مانگ سکتے تھے
آنسو بھرے تھے آنکھوں میں اور منہ کو تکتے تھے

بچے اپنی ماں یعنی حضرت زینب سے اُن کے رونے کا سبب پوچھتے ہیں

بہن کا جذبۂ محبّت و ایثار

زینب یہ بولی کیوں نہ ہو صدمہ مجھے بھلا
ماں جایا میرا نرغۂ اعدا میں پھنس گیا
لیکن غم و الم سے مرے تم کو کام کیا
ہمراہ میرے رونے سے کیا ہوگا فائدہ
کیوں بات تم نے آنے دی رنج و ملال تک
تم پر جو فرض تھا نہیں اس کا خیال تک

روتے ابھی تو دیکھا ہے مجھ کو بصد ملال
اس سے زیادہ ہوگا کوئی دم میں غیر حال
محبوس ہونگی ہوگا نہ یہ فاطمہ کا لال
اس سر پہ خاک اڑاؤنگی کھولونگی سر کے بال
بھائی کو اپنے خیمے میں کاہے کو پاؤں گی
نامحرموں میں لاشے پہ رونے کو جاؤں گی

افسوس کی ہے جا ری الفت نہیں ذرا
بالفرض مجھ سے اُنس ہی ہو تمکو پھر بھی کیا
یہ چاہیئے کہ عشق برادر سے ہو سوا
دشمن کو دوست سمجھوں جو بھائی پہ ہو فدا
ماموں نہ سمجھو تم نہیں کچھ اس سے کام ہے
طاعت ہے اس کی فرض کہ سب کا امام ہے

جذبات

اُس دم تلک[1] سحر سے تمہارا تھا انتظار ۔ ۔ ۔ میں کہتی تھی کہاں ہیں مرے بیٹے جاں نثار
تم اس گھڑی جو آئے یہ سمجھی میں دلفگار ۔ ۔ ۔ کچھ لینے مجھ سے آئے ہیں اس سے ہیں اشکبار

سو تم کو نیک و بد کی نہیں اپنی فکر تک
جو چاہتی تھی میں نہ کیا اس کا ذکر تک

بہن کا جذبہ محبّت و ایثار

میں جانتی تھی مانگو گے رخصت پئے جدال ۔ ۔ ۔ سو تم نے تو نہ کچھ بھی کہا اپنے دل کا حال
ناچار ہو کے کہتی ہوں میں خود بصد ملال ۔ ۔ ۔ مانو گے میرا کہنا اگر ہو گے میرے لال

بس صاف صاف یہ ہے کہ مرنیکو جاؤ تم
گر اس میں عذر ہے نہ مرے پاس آؤ تم

بہن کا جذبہ محبّت و فرض شناسی

بھائی سے تم زیادہ ہو پیارے سو یہ نخیر ۔ ۔ ۔ جو ان کے کام آئے وہ اپنا ہی گو ہو غیر
یہ دوستی نہیں ہے مرے حق میں یہ ہے بیر ۔ ۔ ۔ بھائی مرا شہید ہو تم دیکھو بیٹھے سیر

کیونکر نہ صدقے کیجئے ہر نور عین کو
اماں نے مرتے دم مجھے سونپا حسین کو

بچے ماں کے قدموں پہ گر پڑتے ہیں۔ اور اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ جب سے فرزند عقیل میدان میں کام آئے ہم اسی خیال میں ہیں۔ کہ میدان جنگ میں جائیں۔ لیکن اماں اجازت

---

[1] اب متروک ہے۔ تک یا بولنا چاہیئے۔

نہیں دیتے۔ ہم آپ کی خدمت میں اس لئے آئے ہیں۔ کہ آپ ہماری سفارش
کریں پھر کہتے ہیں۔

بچوں کا جذبۂ محبت ماں کے ساتھ

تم کو جو دیکھا رنج میں صدمہ ہوا کمال　　اس خوف سے نہ ہم نے کیا اذن کا سوال
کیا اذن موت مانگیں کہ پیارے بہت ہیں لال　　پہلے سے رنج میں ہیں زیادہ نہ ہو ملال
کیا بے محل رضا کا کریں اب سوال ہم
موقع جو کوئی پائیں کریں عرضِ حال ہم

بچوں کا معصومانہ جذبۂ محبت

ماں بولی سچ ہے لینے کو آئے تھے یاں رضا　　یا تم نے اس گھڑی مری خاطر کو کہہ دیا
بیٹوں نے عرض کی نہیں خاطر کی ہے یہ جا　　لو ماموں جان سے ہمیں الفت نہیں ہے کیا
ہنس ہنس کے رن میں نیزہ و شمشیر کھائیں گے
اماں تمہارے سر کی قسم سر کٹائیں گے

ماں کی محبت اولاد کے ساتھ

یہ کہہ کے جب وہ اٹھنے لگے ماں نے یوں کہا　　بیٹھو کہاں ابھی سے چلے منہ پہ ماں فدا
بولے وہ ٹھہریں کس لئے ہم مل گئی رضا　　ماں نے کہا یہ سچ ہے جگہ ڈر کی ہے کیا
اے پیارو کوئی خیر نہیں جی سنبھال لو
ارمان دل میں باقی ہیں جو جو نکال لو
یہ سن کے بیٹوں نے کئے ہتھیار زیب تن　　گردن کو کس کے کہنے لگے دونوں گلبدن
کیا حکم ہم کو ہوتا ہے مشتاق رن ہیں ہم　　چھاتی لگا کے کرنے لگی اس طرح سخن

دولھا بنایا شہ کی غلامی کے واسطے
نانی[1] کے پاس جاؤ سلامی کے واسطے

سب بیبیاں بصد درد والم رخصت کرتی ہیں۔ حضرت زینب بچوں کو لئے ہوئے تا درِ خیمہ پہنچیں فضہ کی معرفت حضرت امام کو طلب کرتی ہیں۔

جذبات غم

فضہ نے جا کے خیمے کے پردے سے کی نگاہ　　دیکھا کھڑے ہیں سامنے روتے ہیں کرکے آہ
چلا کے یوں صدا دی ادھر آؤ جلد شاہ　　زینب تمہیں بلاتی ہیں احوال ہے تباہ
کیا کیا عزیز مر گئے صدمے بڑے ہوئے
کیوں دشمنوں کے سامنے تم ہو کھڑے ہوئے

حضرت امام داخلِ خیمہ ہوتے ہیں۔ حضرت زینب کے اصرار سے مجبور ہوکر بچوں کو اذنِ دغا دیتے ہیں۔ حضرت زینب سے کہتے ہیں کہ ایک کے بعد ایک جنگ کرے۔ یہ فرماتی ہیں:۔

درسِ شجاعت

گر تم شریک ہو کے لڑے لطف کیا رہا　　دیکھوں تو کون لڑتا ہے میدان میں سوا
انجامِ جنگ یہ ہے کہ ہو جاؤ تم فدا　　ہٹ آؤ تم نہ ایسی دکھائے گھڑی خدا
بڑھ بڑھ کے وار کیجیو[2] تم جی گھٹے نہیں
نانا تمہارے جنگ سے بیٹا ہٹے نہیں

---

[1] یعنی حضرت فاطمہ　　[2] کیجیو اب متروک ہے کرنا بولنا چاہیئے۔

تاثیر بیاں

پانی کہیں نہ سمجھو گو خشک ہے زباں سمجھو یقین دو دھ نہ پھر بخشیکی بیاں
لاکھوں ستم ہیں بھائی پہ کیا کیا کروں بیاں از آب ہم عنایقہ کردند کوفیاں
جز داغ نیست دعوتِ مہمانِ کربلا
خوش داشتند حرمتِ مہمانِ کربلا

محمد میدانِ جنگ میں پہنچتے ہیں۔ مرثیہ نگار مخالفین کی زبان سے محمد کے حسن کی تعریف اس طرح کرتا ہے۔

آنکھیں وہ آنکھیں دیکھا کیے جس سے روئے شاہ اور کان ایسے جس سے سنی گفتگوئے شاہ
بینی کو اس کی عطر سے بہتر ہی بوئے شاہ عالی دماغ وہ ہے کہ پائی ہے خوئے شاہ
تاثیرِ شیر دختر حیدر دکھائے گا
شمشیر برق زاکی یہ جوہر دکھائے گا

حسن تشبیہ

لے سر سے تا بپا سراپا ہے غرق نور عکس رخِ منیر سے ہے نور دور دور
خورشید رخ سے ذرہ ہے ہر ایک مثلِ طور گیسو کا اس کے رخ پہ نہیں بے سبب شعور
رونق دہ زمین و زماں آج زلف ہے
چہرہ قمر ہے اور شب معراج زلف ہے

ایک جگہ ذقن کے قریب تل کی تعریف میں کیا خوب کہا ہے۔

چاہ ذقن کے پاس نمایاں اگر ہے تل
قنبر کھڑا ہے چشمۂ کوثر کے متصل

واقعہ نگاری

یا ور عمرؓ کے ششدر و حیران تھے یکدگر　　سمجھا رہا تھا فوج کو کچھ شمر بدگہر
اتنے میں نکلے فوج سے دو چار اہلِ شر　　تلواریں دُہری باندھے ہوئے ڈھالیں کاندہوں پر

. . . .

پیلِ دماں کی طرح سے آئے شریر جیب　　نیزے سنبھالے آنکھیں دکھائیں بقصد غضب
زینب کے لال سے کہا تم کیا لڑو گے اب　　لڑکے ہو اور اکیلے ہو بھوکے ہو تشنہ لب

پھر جاؤ گھر کو بھیجدو شبیر کو ذرا
دیکھیں وہ آکے ضربت شمشیر کو ذرا

معرکہ جنگ

یہ سُنکے حملہ ور ہوا اک ملعونِ پُرستم　　خالی دیا وہ وار محمدؑ نے ہو کے خم
پہلو میں اس کے جا کے جو ہیں تیغ کی علم　　بیدم کیا شریر کو لینے دیا نہ دم

جو اسکے ساتھ تھے انہیں قبضہ میں کر لیا
دھرنے دیا نہ پاؤں تہِ تیغ دھر لیا

تلوار کی تعریف

اس درجہ آبِ تیغ سے ظالم ہوئے تھے سرد　　دوزخ کی سمت سیدھے گئے وہ اُٹھی نہ گرد
فی الفور موجِ خوں بنا وہ وادیِ نبرد　　زندہ جو فوج میں تھے کھڑے تھے وہ زرد

پانی تھی فوج تیغ درخشاں کے کاٹ میں
زندے بھی غرقِ خوں ہوئے مردوں کے گھاٹ میں

لہ　فوجِ شام کا سردار

محمدؐ عام جنگ کرتے ہیں۔

معرکہ کارزار

بیطرح گرم ہوگیا میدانِ کشت و ضرب
فی النار والسقر ہوئے ناری میانِ کرب
اشرار بھاگے جاتے تھے کرسکتے تھے نہ حرب
میدان میں ایک حشر سا برپا تھا شرق و غرب

گہ میسرہ کی فوج کو سمار کرتے تھے
گہ میمنہ کے لوگوں کو فی النار کرتے تھے

حضرت محمد کے گھوڑے کی تعریف

یوں آیا نیزہ داروں پہ گھوڑا بڑھائے شیر
بیخوف جس طرح سے نیستاں میں جائے شیر
اعدا ٹھہر نہ سکتے تھے بہرِ وغائے شیر
روباہ سامنا کریں کیا جبکہ آئے شیر

پیدلوں کو پھینک پھینک کے فی الفور ہٹ گئے
کچھ سامنے جو آگئے سر اُن کے کٹ گئے

تعریفِ اسپ و تیغ

مثل ہوا روانہ تھا رہوار چار سمت
جانیں چھپاتے پھرتے تھے اشرار چار سمت
شمشیر آبدار کا تھا وار چار سمت
گرتی تھی ایک برقِ شرربار چار سمت

بجلی کی طرح تیغ درخشاں چمکتی تھی
جب سر پہ گرتی تھی تو کہیں رک نہ سکتی تھی

حضرت زینب قریب در کھڑی ہوئیں بچوں سے حالتِ جنگ پوچھتی ہیں۔ بچے جواب دیتے ہیں +

اُن دونوں نے یہ عرض کی رکھیے بجا حواس
ہوں فتحیاب ہمکو خدا سے یہی ہے آس

آتنا مگر ہے خوف کہ ہوگی کمال پیاس ورنہ کسی طرح سے نہیں اور کچھ ہراس
لاکھوں پہ گو اکیلے ہیں چڑھتے ہی جاتے ہیں
پیچھے ذرا ہٹے نہیں بڑھتے ہی جاتے ہیں

ماں بیٹوں میں یہ ہو رہی تھی یاں ہم کلام میداں میں مستعد ہوئے بدعتاً بیہ اہل شام
افسوس نیزوں سے اُنہیں زخمی کیا تمام لشکر قریب آگیا پڑنے لگی حسام
تیروں سے سینہ خانۂ زنبور ہو گیا
جامِ حیات خون سے معمور ہو گیا

جذبات غم

یہ سُنکے قتل گاہ کی جانب سدھارے شاہ زینب کلیجہ تھام کے بیٹھی زمیں پہ آہ
فرمایا عون سے کہ مرا حال ہے تباہ وہ تو شہید ہو چکا لو تم بھی اپنی راہ
جانا اگر بہشت کو ہے جلد جاؤ تم
وہ لاش آنے پائے نہ یاں مر کے آؤ تم

محاکات

یہ سنکے وہ سوار بد رد و یکا ہوا گھوڑا اُٹھا کے جلد سدھارا پئے وغا
رستے میں پایا بھائی نے لاشہ جو بھائی کا پھر پھر کے دیکھتا ہوا آگے کو بڑھ گیا
بھائی کی دوری دل پہ بڑا داغ دیگئی
چاہا کہ ٹھہروں پر کششِ جوش لیگئی

حضرت امام لاشہ محمد کے قریب ہیں۔ اس طرف عون میدان کارزار میں مصروف جنگ ہیں۔ آخر کار ایک شامی کے ہاتھ سے

یہ بھی مجروح ہوکر حضرت امام کو پکارتے ہیں۔ آپ لاشہ کو حضرت عباس کے سپرد فرماکر عون کی طرف جاتے ہیں۔ حضرت زینب کو معلوم ہوا ۔ کہ آپکے دوسرے فرزند بھی شہید ہوئے۔ آپ ایک عالم درد و بیخودی میں تیسرے بیٹے کو بھی میدان جنگ میں بھیجتی ہیں۔

جذبۂ غم

راہی ہوا یہ سُنکے عبید اللہ حزیں بھائی کا غم تھا ایسا کہ تھا موت سے قریں
دل مضطرب تھا قاتلوں پہ تھا وہ خشمگیں کہتا تھا جلد آ بھی چکے موت کہ ہیں
لینگے قصاص تیغ کے جوہر دکھائینگے
جاتے ہی رن میں نیزہ و شمشیر کھائینگے

بھائی کی حالت بھائی کے غم میں

اثنائے راہ لاشِ محمد سے یہ کہا تم رن میں قتل ہو گئے آئی مری قضا
شمشیریں تیر نیزے مہیا ہیں جابجا بازو شکستہ ہوگئے جاکر لڑونگا کیا
ٹوٹی کمر جوانی میں طاقت نہیں رہی
لاشہ تمہارا دیکھا بصارت نہیں رہی

جوشِ شجاعت اور میدان کارزار

یہ کہہ کے آگے بڑھ گیا غازی برائے جنگ اس ضرب تیغ سے ہوئی ساری سپاہ دنگ
خونِ عدو کو چاٹ کے اپنا جمایا رنگ تنہا سے لاکھوں دشمنِ خالق ہوئے تھے تنگ
ظاہر جو رن میں جوہر تیغ دودم گئے
جو جو بڑے جری تھے سر ان کے قلم گئے

حضرت عباس لاش محمد لئے ہوئے حضرت زینب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ فرماتی ہیں:۔

بہن کا جذبہ محبت اور صبر

زینب نے یہ کہا ابھی مجھ سے نہ کچھ کہو مجھ میں حواس تک نہیں عباس چپ رہو
بھائی مرے اکیلے گئے ہیں ستم نہ ہو ایسا نہ ہو کہ داغ شہنشاہ تم سہو
اعدا میں خود گئے وہ کسی کو نہ لے گئے
ناحق وہ لاش عون کو لینے چلے گئے

عباس جلد جاؤ بلاؤ حسینؑ کو زینب ہے بیقرار دکھاؤ حسینؑ کو
اعدا میں کیا کھڑے ہیں بچاؤ حسینؑ کو گو لاش وہ نہ آئے مگر لاؤ حسینؑ کو
لاشے سے کام اور نہ دلبر سے کام ہے
اس خواہر حزیں کو برادر سے کام ہے

حضرت امام عون کی لاش لیکر آ رہے ہیں۔ حضرت عباس اطلاع دیتے ہیں۔ حضرت زینب بھائی کی محبت میں بیقرار ہو کر کہتی ہیں۔

بھیجو بہن کے پاس بلائیں لوں بھائی کی

حضرت امام یہ کلام سنکر جواب دیتے ہوئے بعد درد کہتے ہیں۔

ان کو گلے لگاؤ کہ پھر کب لگاؤ گی
اک آن میں یہ لاشے بھی اُنکے نہ پاؤ گی

حضرت زینب کہتی ہیں:۔

۱؎ یہ یا پر لیکن کی بجائے متروک ہے۔

زینب نے بھائی سے کہا لاشوں سے مجھ کو کیا | ہیں تمکو دیکھکی مجھے کام ان سے کیا رہا
میری خدا سے ہے یہی آٹھوں پہر دعا | زینب کے سر پہ آپ کا سایہ رہے سدا

پردیس میں چھٹوں میں بھائی حسین سے
لاکھوں ستم ہوں پہ نہ جدائی حسین سے

یہاں یہ گفتگو تھی۔ کہ حضرت عبداللہ بھی شہید ہو گئے۔ حضرت امام جانا چاہتے ہیں۔

بہن کا جذبہ محبت و صبر

جانے لگے حسین تو زینب نے یہ کہا | لاشہ نہ لینے جائیو خواہر یہ ہو فدا
دشمن تمام دشت میں ہیں درپئے وغا | ایسا نہ ہو کہ مارے کوئی نیزۂ جفا

روئی بہت ہوں اب میں زیادہ نہ روؤنگی
بیٹوں کو میں نے کھویا یہ تم کو نہ کھوؤنگی

واقعہ نگاری

شہ نے کہا کہ بس نہیں قسمت ہے اے بہن | میرے لئے تو اس نے سہے رنج اور محن
جانے دو مجھکو خاک یہ ہے میرا گلبدن | ایسا نہ ہو کہ کاٹ لیں سر اسکا تیغزن

کچھ غم نہیں میں جان بھی اپنی گنواؤ نگا
جس طرح ہو گا لاش اٹھانے کو جاؤ نگا

حضرت امام تسکین دیکر روانہ ہوتے ہیں۔ حضرت زینب حضرت

---

۵۱ جانا کی جگہ "جائیو" متروک ہے۔

عباس سے فرماتی ہیں۔

تنہا حسین جاتے ہیں تم ساتھ جائیو
بازو کا اپنے تھامے ہوئے ہاتھ جائیو

حضرت امام بہمراہیِ حضرت عباس مجروح بھانجے کے پاس پہنچتے ہیں بھانجا یہ کہتا ہے :۔

وقتِ اخیر دید کا ارمان تھا بڑا

جذبات غم

یہ کہہ کے تڑپا خاک پہ حضرت کا جاں نثار ایک ہچکی آئی جان ہوئی تن میں بیقرار
آنکھیں پھرا دیں سرد ہوا سارا جسم زار حضرت نے دلکو تھام لیا ہو کے اشکبار
فرمایا ہائے پیاسا مسافر گذر گیا
افسوس بھانجا میرا مقتل میں مر گیا

دعا

پھر شہ نے روئے پاک کیا سوئے آسماں عمامہ رکھ کے ہاتھوں پہ بولے بصد فغاں
کیا کیا نہیں سہے ستم فوجِ دشمناں یہ آرزو ہے اُس کی عوض کُل کے مہرباں
غمخواروں کو ضرور قیامت میں بخشیو
اے ربِّ پاک نانا کی اُمّت کو بخشیو

ماں کا صبر

زینب نے دیکھے خون میں ڈوبے جو اپنے لال ٹکڑے ہوا کلیجہ مگر دل لیا سنبھال
بھر آئے اشک آنکھوں میں جب یہ کیا خیال اے دل یہ وقت صبر ہے صدمہ ہے گو کمال

مجھ کو ملول پا کے اخی جان کھوئے گا
رونے سے میرے بھائی سوا اور روئیگا

فرض شناسی

زینب پکاری بیٹوں سے راضی ہوئی میں اب　　جو چاہتی تھی میں وہ ہوئے ان سے کام سب
کس خوبی سے ہوئے یہ نثارِ شہِ عرب　　ماموں کے آگے مارے گئے پھو کے تشنہ لب

حضرت پہ دستِ ظلم اوٹھانے نہیں دیا
خود زخم کھائے زخم انھیں کھانے نہیں دیا

جذباتِ غم

یہ کہکے لاشوں کی لگی لینے بلائیں ماں　　ڈوبا لہو میں دیکھ کے وہ رد ئی نیم جاں
دل پر نہ اختیار رہا یوں کیا بیاں　　جیتے گئے تھے آئے مگر مر کے تم یہاں

حق سے ادا ہوئے ہو یہ لاشیہ حق یہ ہے
بیدفن و بیکفن ہو پڑے تم قلق یہ ہے

سمجھاتی گرچہ ہوں پہ نہیں دل یہ مانتا　　پہلے تو میں نے مرنے کی خود دی تمہیں رضا
آئے جو قتل ہوکے تو صدمہ ہوا بڑا　　سوا اس کا یہ سبب ہے سنو لاڈلو ذرا

کچھ بے سبب نہیں دلِ خونبار آگیا
ماموں کے بدلے جان جو دی پیار آگیا
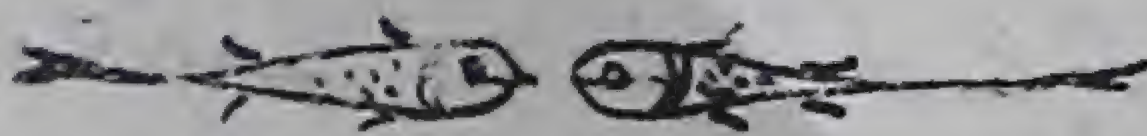
مرزا دبیر

قتل اب فوج حسینی کے جواں ہوتے ہیں اور گلِ گلشنِ دیں صرفِ خزاں ہوتے ہیں
رفقا شہ کے سوئے خلد رواں ہوتے ہیں ذبح دریا کے قریں تشنہ وہاں ہوتے ہیں
دل کے بدلے کسی سینے میں ہے برچھی کی پھال
نیزہ و تیر سے ہے جسم کسی کا غربال

امام عالی مقام لاشوں کے درمیان حیران کھڑے ہیں - ان کی جاں نثارانہ موت سے متاثر ہو کر کہتے ہیں -

اے رفیقو میں محبت پہ تمہاری قرباں

پھر ارشاد کرتے ہیں :-

کتنے گھر ہائے میرے واسطے برباد ہوئے

اسی سلسلہ بیان میں یہ بیت بھی خوب ہے - امام فرماتے ہیں ؎

آج کتنے ہی مکان مرگ نے ویران کیے
ایک سر کے لیے سر اتنے رفیقوں نے دیئے

پھر مخاطب ہوئے لاشوں سے امام دلگیر دے جزا تم کو خدا اے رفقائے شبیرؑ
اے غریب الوطنو مجھ سے کرو کچھ تقریر اب وطن جانے کی یہاں سے نہیں کرتی تدبیر
ہم تو صغرا کے بچھڑ جانے کا غم کھاتے ہیں
زن و فرزند تمہیں یاد نہیں آتے ہیں

۱؎ شہید ہوتے ہیں۔

تابِ حرکت نہیں طاقت ہوئی ایسی زائل
سفرِ ملکِ عدم کی ہے یہ پہلی منزل
اس قدر کوئی مسافر نہیں ہوتا غافل
یہ دعا مانگو کہ آساں ہو ہماری مشکل

راہ پُر خوف ہے یہ اور سفر بھاری ہے
سر جو کٹ جائے مرا پھر تو سبکساری ہے

پھر اٹھا کر سوئے درگاہِ خدا دستِ دعا
یوں ہوئے صرفِ مناجات امامِ دوسرا
حکم خورشید کو ہو یاں نہ ہو پرتو افزا
بکفن ریگ بیاباں پہ پڑے ہیں شہدا

کم جو خورشیدِ جہانتاب کی حدت ہوگی
راحتوں سے بدل ایذائے جراحت ہوگی

جلتی ریتی پہ جو اُفتادہ ہیں مسلم کے پسر
یہ مدینے کے مسافر کے ہیں دو لختِ جگر
ان کے بابا کا کٹا پہلے ہی کوفے میں سر
زنِ[۱] بیوہ نے تصدق کیا انکو مجھ پر

کبھی قسمت جو مجھے خیمے میں لیجاتی ہے
زوجۂ مسلمِ مظلوم سے شرم آتی ہے

خاک پر ابنِ[۲] مظاہر تو ہیں آلودۂ خواب
قیس[۳] وہ ریگ پہ لیٹا ہی باحوالِ خراب
تھا ابوذر[۴] جو نبی کا ترے پیارا اصحاب
اُس کے فرزند پڑے ہیں وہ جوان نایاب

تیر جتنے کہ شہیدوں کے تنِ پاک میں ہیں
اُتنے سوراخ ہمارے دلِ صد چاک میں ہیں

۱؎ حضرت مسلم کی زوجہ محترمہ ۲؎ و ۳؎ و ۴؎ حضرت امام حسین کے وہ رفقا جو جنگِ کربلا میں شہید ہوئے۔

الغرض بیکس و مضطر کے ہیں باقی کچھ اب
قاسم و اکبرؑ و عابدؑ پسرانِ زینب
خیمے کے گرد ہیں عباسِ علی فخرِ عرب
ایک دو چار ہیں محبوبِ سرِ تشنہ لب
جان نثار ایسے نہ دنیا میں کہیں پاؤنگا
ایک انہیں سے جُدا ہوگا تو مر جاؤنگا

ناگہاں دشتِ شہادت میں قضا چلائی
اب نواسوں کی یداللہ کے باری آئی
رن میں زینب کے بھی فرزندوں کو قسمت لائی
برقِ شمشیرِ جواں غازیوں نے چمکائی
رعب سے لشکرِ اشرار کے دم جانے لگے
نیزے افعی کی طرح ہاتھوں میں بل کھانے لگے

زورِ بیاں

بارِ ہیبت سے خمیدہ ہوئی ہر اک شمشیر
رن میں تھا چار طرف غلغلۂ دار و گیر
موت نے دامِ زرہ میں کیا اعدا کو اسیر
رعب سے مضطرب الحال تھی فوجِ بے پیر
واں دلیری سے کماندار اگر لڑتے تھے
تیر دو ایک قدم چلتے تھے گر پڑتے تھے

گئے دریا پہ جو دونوں وہ جوانِ نایاب
دیکھ تیغوں کی چمک ہوگئیں موجیں بیتاب
شعلے سے تیغوں کی روشن ہے فانوسِ حباب
مچھلیاں مثلِ شرر ہوگئیں پنہاں تہِ آب

لہ حضرت عون و محمد

عونؑ کی جسکے سر نحس پہ پہونچی تلوار | پھر ٹھہرنا تھا اُسے خانۂ زین پر دشوار
اور محمدؑ نے لگایا سرِ دشمن پہ جو وار | ہو کے دو گرنے لگا خاک پہ جسوقت سوار

گرنے پایا تھا نہ وہ عونؑ نے جو وار کیا
ایک نے دو کیا اور دوسرے نے چار کیا

اس کے بعد

ناگہاں لشکرِ اشرار نے کی یہ تدبیر | اسد اللہ کے جگر گوشوں پہ کی بارشِ تیر

حضرت عون و محمد کے بدن خون سے گل رنگ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

جب ہوئے فدیۂ شبیرؑ پسر زینبؑ کے | اور ڈوبے شفق خون میں قمر زینبؑ کے
کھا چکے نیزوں کے پھل دونو ثمر زینبؑ کے | ہو گئے خستہ جگر لختِ جگر زینبؑ کے

دامنِ زیں سے جو وہ گوہرِ نایاب گرے
غل ہوا برج سے دو مہرِ جہانتاب گرے

اسی سلسلہ بیان میں کہتے ہیں۔

نیزۂ ظلم ہوئے جب جگروں سے باہر | دی صدا عون و محمد نے یہ با دیدۂ تر
عقدۂ مشکل جو تھے سب نیزوں سے آسان ہوئے | ماموں جان آؤ غلام آپکے قربان ہوئے

لکھتے ہیں۔

یہ صدا سنکے نہ حضرت کو رہا صبر و قرار
دیکھکر چرخ کی جانب کہا داد اے غفار

سلہ لہو لہان ہو گئے۔

واقعہ نگاری

لاش پر عون ومحمد کے جو آئے شبیر چشم حسرت سے جو دیکھا تو ہے کام[1] انکا اخیر
اک رمق جان ہے لیکن نہیں تاب تقریر جسم سب سرد ہے گردن ہے ڈھلی حالت تغیر

مردنی چھا گئی ہے چہرے پہ غش طاری ہے
یاحسین ابن علی منہ سے مگر جاری ہے

مومنو حال سنو خیمۂ شبیر کا اب خاک پر بیٹھی تھی سجادہ بچھائے زینب
سبحۂ فاطمہ تھی ہاتھ میں اور دل سوئے رب یہ دعا کرتی تھی حق سے وہ گرفتارِ تعب

یارب اس مشکل دشوار کی آسانی ہو
میرے بیٹوں کی تری راہ میں قربانی ہو

یاالٰہی مرے یوسف نہوں لشکر میں اسیر بعد شمشیر زنی کے ہوں فدائے شبیر
دختر شیر خدا کا ہے پیا دونو نے شمشیر بیبیاں کہتی ہیں اے بنتِ شہِ خیبر گیر

ہیں جری جعفر طیار کے وہ پوتے ہیں
شیر اللہ کے بھی قید کہیں ہوئے ہیں

ناگہاں آن کے فضہ یہ پکاری اک بار اٹھو اے بی بی چلے آئے تمہارے دلدار
رنگ فق[2] ہوگیا زینب کا یہ سنکر گفتار مضطرب ہوکے لگی کہنے بچشم خونبار

میں نے دونوں سے کہا تھا کہ نہ جیتے آنا
ایسے خود رو ہوئے زینب کا نہ کہنا مانا

---

[1] حالت نزع میں ہیں [2] رنگ آگیا۔

پھر فضہ سے مخاطب ہو کر کہا - اُن سے جا کے تو کہدے - کہ اب مجھ کو صورت نہ دکھائیں -

میری مرضی کے موافق جو وہ دلدار نہیں آج سے ہم کو بھی کچھ اُنسے سروکار نہیں
اب نہ میں اُن کی ہوں اور نہ وہ میرے دلدار مجھے کیا واسطہ وہ آپ ہیں اپنے مختار

فضہ نے کہا - بی بی آپ کا خیال کدھر ہے - ؟

دے زمانے کو خدا نیک نصیب ایسے لال

وہ زندہ نہیں ہیں بلکہ شہید ہو چکے ہیں -

بر میں ہیں سید مظلوم کے دونو دلگیر خاک پر پاؤں لٹکتے ہیں ادھر اور اُدھر
شفقِ خوں میں ہیں غرق آپکے ماہِ انور دوش پر سرورِ عالم کے تو دونوں کے ہیں سر

جاں نثارانِ شہِ کرب و بلائی آئے
پیشوائی کو چلو شہ کے فدائی آئے

کہا زینب نے مرے سر کی قسم سچ بتلا شہ کے قدموں پہ تصدق ہوئے وہ ماہ لقا
اب تسلی ہوئی صد شکر بدرگاہِ خدا حق جو تھا بھائی کا مجھ پر وہ کیا حق نے ادا

یہ میں کہتی نہیں شبیر پہ احسان کیا
جو مرے پاس تھا سو بھائی پہ قربان کیا

امام ذیجاہ دونو لاشے خیمے کے اندر لاتے ہیں - سب پر رقت طاری ہے -

گرد حلقہ کئے سب اہلِ حرم روتے تھے
شیر کی طرح وہ مسند پہ پڑے سوتے تھے

شہ نے خواہر کو گلے اپنے لگا کر یہ کہا
خاک میں مل گئی افسوس ترے ماہ لقا
کہا زینب نے اسی دن کیلئے پالا تھا
تم سلامت رہو کچھ غم نہیں فرزندوں کا

پھر مادری الفت کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں۔

کہ کے یہ مادری الفت کا ہوا جوش اکبار
اپنے دلداروں کے لاشوں پہ ہوئی آ کے نثار
رکھدئے پیار سے رخساروں پہ اُنکے رخسار
لے کے پھر اُنکی بلائیں یہ کہا با دلِ زار

شکر صد شکر نہ محنت مری برباد ہوئی
تم سے حق شاد ہو زینب تو بہت شاد ہوئی

بھائی یا کسی قریبی رشتہ دار کی محبت بیٹوں کی محبت پر غالب آجائے۔ بظاہر یہ بات غیر فطری معلوم ہوتی ہے۔ مگر شائقین علم النفس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اخلاق و مذہب کا جذبہ عام جذبۂ فطری سے اکثر قوی تر ثابت ہوا ہے حضرت امام حسین ؑ آلام و مصائب میں مبتلا ہیں۔ ایک شریف بہن کا عام جذبۂ اخلاقی بھی اسی کا مقتضی ہے۔ کہ ایسے موقع پر لڑکوں کے شہید ہونے کی پروا نہ کریں۔ اسکے علاوہ حضرت امام حسین کی حیثیت صرف ایک بھائی کی نہیں ہے بلکہ ایک دینی مقتدا ہونے کے لحاظ سے انکی ایک مخصوص عظمت و محبت بھی حضرت زینب کے دل میں جاگزین ہے۔ اسکے علاوہ جذبہ محض اسیوجہ سے جذبہ ہے کہ اسمیں مدو جزر کی کیفیت رہتی ہے اور وہ اکثر متغیر و متبدل ہوتا رہتا ہے اگر اسی لحاظ سے حضرت زینب کا جذبۂ دینی و اخلاقی کبھی عام فطری جذبہ پر غالب آجاتا ہے۔ اور کبھی آپ عام فطری تقاضے سے لڑکوں کے شہید ہو جانے پر اظہار رنج و الم کرنے لگتی ہیں مرزا صاحب یہاں اُسی عام جذبۂ فطری کی اسطرح ترجمانی کرتے ہیں:۔

گھر کہاں ہے مرا اب آ و گے جو تم پھر کر
قتل تم ہو گئے ویران ہوا میرا گھر
اب خدا جانے کہ لیجائیگی تقدیر کدھر
سر برہنہ[۱] سر بازار پھرے گی مادر

[۱] ننگے سر

ماں کو پردیس میں برباد کئے جاتے ہو
ساری آبادی میرے گھر کی لئے جاتے ہو
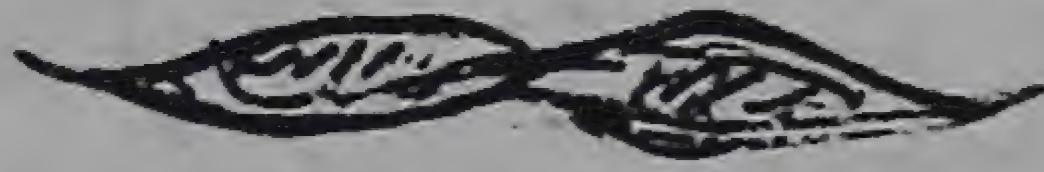
مناقب فرزندان زینب

گیسوئے رساروئے کتابی کے قریں ہے — قرآن کا حافظ پر جبریل امیں ہے
لب موجِ دہن کوثرِ فردوس بریں ہے — دانتوں سے لطافت کا جہاں زیر نگیں ہے
دندانِ دہن کی نئی تشبیہیں ملی ہیں
کلیاں سمنِ خلد کی کوثر میں کھلی ہیں

لو قدرتِ داور کو نہ دیکھا ہو تو دیکھو — خالِ رُخِ انور کو نہ دیکھا ہو تو دیکھو
اک نقطہ میں دفتر کو نہ دیکھا ہو تو دیکھو — خورشید میں اختر کو نہ دیکھا ہو تو دیکھو
ہے قربِ نیا روئے ضیا بار کے آگے
قنبر[1] تو نہیں حیدرِ کرار کے آگے

بچپن میں ہنر وہ ہیں کہ حیران ہیں دانا — سیکھیں ہیں علمدار سے چورنگ لگانا
اور اکبرِ مظلوم سے نیزے کا ہلانا — شبیر سے سجدے کی طرف سر کو جھکانا
قاسم سے سب اطوار حسنؑ یاد کئے ہیں
اللہ نے زینب کو عجب لال دیئے ہیں

حضرت امام حسینؑ بنام اہل کوفہ کے محبت آمیز دعوتی

---

[1] قنبر حضرت علی کے غلام حبشی تھے۔

سے مجبور ہو کر عازم سفر ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن جعفر جو حضرات عون و محمد کے باپ اور حضرت زینب کے شوہر تھے۔ آپ کو سمجھاتے ہیں کہ اگر وہاں جانا ہی ہے۔ تو حرم کو ساتھ نہ لیجائیں۔ اہل کوفہ کی بیوفائی و بے مروتی یہ امر بعید نہیں کہ آپ کے ساتھ دغا کریں۔

بہن کا جذبۂ محبت

یہ سُنکے حرم میں ہوا کہرام قضا را ۔۔۔ پردے کے قریب آنکے زینب نے پکارا

بس بس مرے صاحب یہ پھر کہیو[1] خدارا ۔۔۔ ہی ہی تمہیں تنہائی ہے سید کی گوارا

بن بھائی کا مجھ کو کئے دیتے ہو ابھی سے

بچھڑی[2] ہوں بچھڑوں گی حسین ابن علی سے

کہنا یہ سخن آپ کو زیبا نہیں صاحب ۔۔۔ ہی ہی یہ محبت کا تقاضا نہیں صاحب

شبیر ابھی بیکس و تنہا نہیں صاحب ۔۔۔ زینب تو ہے موجود جو زہرا نہیں صاحب

کیا تم نے کہا خونِ جگر پیتی ہوں صاحب

بھائی کو فقط دیکھ کے میں جیتی ہوں صاحب

میں سمجھی جو اس بات میں مطلب ہے تمہارا ۔۔۔ بیٹوں کی جدائی نہیں والی کو گوارا

مختار ہو تم اُنکے کیا میں نے کنارا ۔۔۔ اولاد تمہیں پیاری ہے بھائی مجھے پیارا

بیٹوں کو تمہارے تمہیں دیجائیگی زینب

جاں اپنی فقط صدقے کو لیجائیگی زینب

---

[1] کہیو متروک ہے۔ اس کی جگہ کہنا مستعمل ہے [2] بچھڑنا۔ چھوٹ جانا۔ جدا ہونا۔

جذبۂ ایثار

یہ سنتے ہی زینب کے پسر آنکھ بچا کر　　شبیر کے پہلو میں کھڑے ہو گئے آکر
عبداللہ جعفر نے کہا خیمہ میں جاکر　　بس بنت علی بس نہ خجل یہر خدا کر
بیٹوں کو دل و جان سے کروں آپ تصدق
میں ان پہ تصدق مرے ماں باپ تصدق

واللہ جو کچھ اور سمجھ کر یہ کہا ہو　　ڈر تھا کہ نہ بے پردگیِ آلِ عبا ہو
وہ بولی جو سر کھلنا ہی قسمت میں لکھا ہو　　پھر اسکا علاج آپ سے کیا بھائی سے کیا ہو
کھانا ہو نہ پینا ہو نہ گھر ہو نہ وطن ہو
یہ سب ہو مگر بھائی کے سائے میں بہن ہو

حضرت امام حسین حضرت عبداللہ ابن جعفر سے اپنی مجبوری سفر ظاہر کرتے ہیں حضرت عبداللہ افسوس ظاہر کرتے ہیں۔ کہ بیماری کی وجہ سے وہ ساتھ نہیں دے سکتے۔ لیکن بچے حاضر ہیں۔ حضرت زینب جناب امام سے ایک عہد لینا چاہتیں ہیں۔ لیکن بیان نہیں فرماتیں۔

جذبۂ غیرت

شہ رونے لگے سونچ کے اس بات کا انجام　　کعبے سے سوئے کوفہ چلا قبلۂ اسلام
ناگہ یہ خبر قافلے میں شہ کے ہوئی عام　　معلوم نہیں ہوتے ہیں زینب کے گل اندام
یہ سنتے ہی غیرت سے پڑا رعشہ بدن میں
زینب تھی عماری میں مگر دم تھا نہ تن میں

حضرت زینب کے جذبۂ غیرت کی تصویر ملاحظہ ہو۔

انداز بیاں

ناگاہ چمکتے ہوئے دو چاند برابر　　گھوڑوں کو لگاتے ہوئے ہوئی سوئے لشکر
پہنچے جو قریب شتر دختر حیدر　　چلائے ہم آداب بجا لاتے ہیں مادر
غصے میں بھری بیٹھی تھی رونے لگی زینبؑ
چلائی کہ ماں کا ہے کو ہونے لگی زینبؑ

کیا کام تھا کیوں آئے یہاں کس لیئے آئے　　کچھ اب تو بہت باپ سے اخلاص بڑھائے
جاؤ وہیں سائے میں پدر تم کو بٹھائے　　یاں چلتی ہے لو پھول سا منہ تو نہ سن جائے
اکبر بھی کہیں اب تو یہ تقصیر نہ بخشوں
اے تو سہی مر جاؤں تمہیں شیر نہ بخشوں

بھتیجوں کے ساتھ محبّت

یہ تو ہے مرے بھائی کے بچوں کیلئے ہائے　　جو کچھ ہے سو پایا ہے یہاں کسکے لیے آئے
پھر جاؤ وہیں باپ کہیں سائے میں بٹھلائے　　یاں دھوپ ہے منہ خشک نہو رنگ نہ سونلائے
گرمی کے سفر کا تمہیں اندیشہ و غم ہے
سچ بھی ہے کہ سن اصغر شش ماہہ سے کم ہے

بہن کے جذبات محبّت

کیا ماں کو یہ سمجھے کہ ہے محتاج ہماری　　اکبر جئے پروا بھی نہیں مجھ کو تمہاری
گھر بھائی کا آباد رکھے خالق باری　　بس خیر یہیں تک تھی یہ سب واسطہ داری
اکبر بھی کہیں اب تو یہ تقصیر نہ بخشوں
اے تو سہی مر جاؤں تمہیں شیر نہ بخشوں

تاثیرِ بیان

تھرانے لگے غرقِ عرق ہو کے وہ صفدر چلّائے کہ اماں پسرِ سبطِ پیمبرؐ
اس راہ میں پیارے نہ دل و جان و تن و سر سُن لیجئے پھر آپ خفا ہوجیے ہم پر
دیر اس سے ہوئی بابا کو غش آتے تھے اماں
کچھ ان سے ہم اپنے لئے لکھواتے تھے اماں

بقول مرثیہ نگار بچے ایک تحریر پیش کرتے ہیں جوان کے باپ نے لکھی تھی۔ جس میں بچوں کا اشتیاق بھی ظاہر کیا تھا۔ باقی مضمون کا لبّ لباب اس مصرع سے ظاہر ہے۔

باقی ہے رضا ماں کی پدر نے تو رضا دی

ماں کا جذبۂ محبّت

یہ پڑھتے ہی محل سے گری پیار کے مارے دی شہ کو صدا اے اسداللہ کے پیارے
کہدو کہ رفیق آپ کے ہوجائیں کنارے پیار آیا ہے زینب کو غلاموں پہ تمہارے
سب ہٹ گئے بیٹوں پہ ولا دیکھ کر اُن کی
لیں جھک کے بلائیں اِدھر انکی اُدھر انکی

واقعہ نگاری

القصہ کٹے راہ میں ذیحجہ کے ایّام آغازِ محرّم ہوا اس چاند کا انجام
پھر تو وہ بیاباں تھا اور لشکرِ اسلام جس دشت میں عاشور کو زہرا کا مٹا نام
واں کفر کی صف یاں صفِ اسلام کھڑی تھی
اور فیصلے کو بیچ میں تلوار پڑی تھی

اندازِ بیاں

جاگیر میں حُر کو جو ملا رِ گنجِ شہیداں — زینبؑ نے یہ کی عرض کہ اے سیدِ ذی شاں
یہ منزلِ آخر ہے کہا شہ نے بہن ہاں — وہ بولی اب اُس بات کا ہے وقت مِری جاں

زینب کا جو وعدہ ہے وفا کیجئے مولا
فرزند پکارے کہ رضا دیجئے مولا

حضرت امام تامل فرماتے ہیں۔ حضرت زینب اصرار کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

لے لو میں قسم دیتی ہوں خاتونِ زمن[1] کی
صدقے گئی یہ نذر ہے نادار بہن کی

حضرتِ امام مجبوراً اجازت وغا دیتے ہیں

مناقب حضرتِ زینب

ارمان کسی ماں کو نہیں مرگِ پسر کا — یہ حوصلہ ہے زینبِ فرخندہ سیر کا
دل سینے میں شق ہے ناسورِ جگر کا — ہے عین خوشی داغ ہر اک نورِ نظر کا

عون و محمد اپنی ماں حضرتِ زینب اور دوسرے عزیزوں سے ملکر میدان جنگ کی طرف بڑھتے ہیں۔

حُسنِ تشبیہ

یہ ملکے برادر سے برادر کا نکلنا — ظلمات سے ہے خضر و سکندر کا نکلنا
یا بہرِ وغا جعفر و حیدر کا نکلنا — یاد آگیا شمشیر دو پیکر کا نکلنا

دَور ایسے فلک نے بھی بدلتے نہیں دیکھے

۱۔ خاتونِ زمن سے مراد حضرت فاطمہ اور ... ہیں

اک برج سے دو چاند نکلتے نہیں دیکھے

مبالغہ

کل عمر ہے سات آٹھ برس کی ابھی الّا
ہے چودھویں کے چاند سے وہ چہرہ تجلا
یہ چرخ کہن چرخ زماں پھرتا ہے کیا کیا
ان دو بلوں میں ہر ایک کا ثانی نہیں گویا

نوران کا مہ و مہر یہ غالب نظر آیا
یہاں فاصلۂ مشرق و مغرب نظر آیا

رجز

چار آنکھیں ہیں نوح لاکھ سی اور نیمچوں پر ہات
دونوں ہیں رجز خواں مگر اک قول اور اک بات
کہتے ہیں کہ ای شامیوں کو نہ کھورات
ہم قبلۂ اشراف ہیں ہم سید سادات

جن بندوں کی الفت میں خدا ملتا ہی ہم ہیں
جن شیروں کے نعروں سی فلک ہلتا ہی ہم ہیں

یوں ہم کو ہی سلطان رسالت سے قرابت
جس طرح سے پشت نبی و مہر نبوت
نزدیک ہے یوں رشتۂ خاتون قیامت
جو رشتے سے تسبیح کے دانوں کو ہی نسبت

ماں اس کی نواسی ہی جو تم سب کا نبی ہی
ماموں کو جو پوچھو تو حسین ابن علی ہے

انداز بیان

سنکر یہ رجز سب کے جگر خوف سے دھڑکے
قبضے میں نہ تھا دل پہ[1] بڑھے تیغ پکڑ کے
کہتے تھے کہ ظاہر میں تو یہ بیاہی ہیں لڑکے
لڑکے ہیں مگر دیکھیے کیا کرتے ہیں اڑ کے

---

[1] "پہ" یا "پر" لیکن کے معنوں میں متروک ہے۔

ڈرتے ہیں نہ تیغوں سے نہ ہم سی نہ قضا سے
کیوں شیر نہ ہوں شیرِ خدا[1] کے ہیں نوا سے

ہنستا ہوا لشکر سے بڑھا شمرِ بدافعال — بولا یہ کہو زینبؑ بیکس کے ہو تم لال
برباد عبث کرتے ہو اس بی بی کا اقبال — کیا دیکھا ہے دنیا کا ابھی کیا ہے سن و سال
لو خیر اسی میں ہے چلے جاؤ خدا را
زینب کو ضعیفی میں نہ رُلواؤ خدا را

جذبۂ غیرت

تھرا گئے سبطینِ جنابِ شہِ مرداں — چلّائے کہ او بے ادب او دشمنِ ایماں
ہے مریمِ آفاق نہ مخدومۂ دوراں — نام ان کا تو لیتا ہے زباں سی سرِ میداں
اللہ سزا دے تجھے اس بے ادبی کی
اسوقت لحد کانپ گئی ہوگی نبیؐ کی

حضرت زینب کی بزرگی اور تقدس کا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں
جب صبح کو اٹھتی ہیں یہ تسلیم کی خاطر
مسند سے امام اٹھتے ہیں تعظیم کی خاطر

عمر ابن سعد کی تقریر

سلاست بیان

سب ناریوں سے کہنے لگا جلکے وہ ناری — اللہ یہ حسن اور یہ سمجھ قدرت باری
حاشا یہ سنینگے نہ ہماری نہ تمہاری — تقریریں ہیں یہ نہ شمشیریں ہیں عاری

---

[1] یعنی حضرت علی۔

یے قتل ہوئے اب انہیں آرام نہیں ہے
تم جانو یہ جانیں ہمیں کچھ کام نہیں ہے

جذبۂ اطاعت

دولاکھ نے چو گرد سے شیروں کو جو گھیرا — تیغوں سے اجالا ہوا ڈھالوں سے اندھیرا
بولا تن و سر اب نہ مرا تو نہ میں تیرا — منھ قبلۂ ایمان کی طرف شیروں نے پھیرا
کی عرض لڑیں یا یوہیں دنیا سے گذر جائیں
ارمان نکالیں کہ پر ارمان ہی مر جائیں

زورِ بیاں

مولا نے تو گردن طرفِ سینہ جھکائی — عباس دلاور کو مگر تاب نہ آئی
چلائے کہ ہم نے ہی تمہیں جنگ سکھائی — دکھلاؤ تو ان چھوٹے سے ہاتھوں کی صفائی
صف کاٹنا خون چاٹنا تیغوں کو سکھادو
ہاں اے مرے شاگردو مری شان دکھادو

شجاعت و اخلاق

دونوں نے کیا مشورہ اُس قہر و غضب میں — فرمایا کہ ہے فرق حسب میں نہ نسب میں
دو مل کے لڑیں یہ نہیں دستورِ عرب میں — وہ کام کرو آج کہ چرچا رہے سب میں
سر تا بقدم خون میں ڈوبیں تو بلا سے
دھبّہ نہ شجاعت میں لگے فضلِ خدا سے

لـه یعنی حضرت امام حسینؑ ۔

کچھ سن کے چھوٹے نے کہا میں نے یہ مانا　　اک غول پہ تنہا ہوئے گر آپ روانا
پھر ٹوٹ پڑے سب تو کہاں میرا ٹھکانا　　فرمایا بلائینگے نہیں خود پہ چلے آنا

تم نیمچہ اپنا بھی علم کیجیو بھائی
جب جنگ ہو مغلوبہ سمجھ لیجیو بھائی

جوشِ شجاعت

یہ مشورہ ٹھہرا کے بڑھا عونِ خوش القاب　　شمشیرِ ہلالی ہوئی رن کیلئے مہتاب
یوں پیاس میں للکارے کہ دل سب کے ہوئے آب　　فرمایا کہ بسم اللہ اگر ضرب کی ہے تاب

گمناموں سے رو کش ہو دماغ اتنا ہے کسکو
وہ آئے گھمنڈ اپنی شجاعت پہ ہو جس کو

تشبیہہ

اک شورؔ نکل آیا پرے سے صفتِ شیر　　جعفرؔ نے کیا تھا پدر اس کا یہ شمشیر
نے مہر کو اس چاند کا جلوہ ہوا اندھیر　　لو لگ گئی دوزخ کی شراروں نے لیا گھیر

یوں عون پہ وہ دشمن رو میں بدن آیا
تاروں نے کہا چاند پہ دن کو گہن آیا!

تاثیر بیان

ناگاہ نظر شہ نے سوئے دشتِ وغا کی　　دیکھا کہ گھٹا چاند پہ چھائی ہے بلا کی
بیساختہ آنسو نکل آئے یہ دعا کی　　اللہ تری ذات ہے حامی غربا کی

شہ زوروں پہ ور تو نے ضعیفوں کو کیا ہے
اس شیر نے خواہر کا مری شیر پیا ہے

ف ۱ ... ۲ ... ۳ بمعنی غالب ہونا

جوش انتقام

ہاں رن میں ستمگار نے کھولا دہن لاف — ہاں شور مرے زور کا ہے قاف سے تا قاف
ہو مجھ سے کدورت جسے گھر اسکا کروں صاف — آئینے کی صورت سے ہیں روشن مری اوصاف

جعفر نے مرے دل کو دیا درد یتیمی
دھوؤنگا ترے خون سے میں گرد یتیمی

بڑا بھائی جواب سخت دیکر مقابلہ کے لئے تیار ہوتا ہے

انداز بیان

ہاں کہکے بڑھی فتح بھی شوکت بھی حشم بھی — تائید خدا بھی مدد خیر امم بھی
زہرا کی دعا بھی شہ مردان کا کرم بھی — جعفر کی ندا آئی کہ تیار ہیں ہم بھی

شیرانہ بڑھے شیر سروہی کی مدد سے
دوزخ نے کہا بھیجئے اب دیر ہی کیا ہے

قاتل پہ جھکی تیغ کہ ملتے ہیں گلے ہم — مغفر نے کہا سر سے خبردار چلے ہم
سر بولا کہ جا چھپتے ہیں پاؤں کے تلے ہم — اعمال پکارے نہ بلینگے نہ ٹلے ہم

تکتا تھا وہ بیرحم ادھر اور ادھر کو
ہر جا سے ندا آتی تھی جا دار سقر کو

عون نے اپنے حریف کو قتل کر ڈالا تو فوج شام نے ملکر حملہ کیا اس وقت چھوٹا بڑے بھائی کی مدد کرتا ہے۔ لیکن کچھ دیر جنگ کرنے کے بعد دونوں شہید ہو جاتے ہیں ۔۔۔
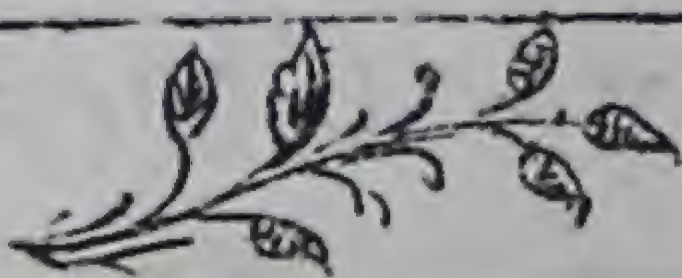
عالم میں جبکہ نورِ سحر جلوہ گر ہوا ۔ روئے فلک پہ سہو کا نقطہ قمر ہوا
آراستہ گروہ عدو سر بسر ہوا ۔ آوازِ طبلِ جنگ کا بھی شور و شر ہوا
خوابیدگانِ خاک اُٹھے اپنی خواب سے
پنبہ بگوش چرخ ہوا آفتاب سے

زورِ بیان

سرگرم جست گھوڑوں کو کرنے لگے سوار ۔ پہونچا غبار تا سرِ افلاکِ بے مدار
صف بستہ تھی جو فوج مہیائے کارزار ۔ تھی وہ ہجوم گرد سے سطرِ خطِ غبار
آلودۂ غبارِ زمیں یاں تلک ہوا
جو اک گھڑی میں شیشۂ ساعت[1] فلک ہوا

یاں تشنگانِ تیغ تھے بشاش و مستقل ۔ دور از فرات چشمۂ کوثر سے متصل
سبحہ بدست و شکر بلب یاد حق بدل ۔ سجادہ زیب ذکرِ الٰہی سے مشتغل
دریا کو دیکھتے تھے نہ پانی کو چاہ میں
لہرا رہا تھا چشمۂ کوثر نگاہ میں

تاثیرِ بیان

تھا گھر میں ابن ساقیِ کوثر[2] کے قحطِ آب ۔ تھے جام سرنگوں صفتِ ساغرِ حباب
اطفالِ خُردسال کو تھی پیاس بےحساب ۔ کہتے تھے تشنہ سے العطش اے ابن بوتراب[3]
پیاسا جو یاں حسین علیہ الصلوات تھا
موجوں سے پیچ و تاب میں آبِ فرات تھا

۱ ریت گھڑی جو پہلے زمانہ میں رائج تھی ۲ حضرت امام حسین مراد ہیں۔
۳ حضرت امام حسین مراد ہیں۔ بوتراب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا لقب تھا۔

اس کے بعد اہل بیت کی حالت بیان کرتے ہیں -

آتی تھی طبل جنگ کی خیمہ میں جو صدا
وحشت سے دل دھڑکتا تھا سب اہلبیت کا

پھر اصل واقعہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں

مشغول گریہ زینب دلخستہ تھی جہاں — آئے وہاں جو عون و محمد بھی ناگہاں
زینب کو روتے دیکھ کے بولے بصد فغاں — اے اماں جان خیر ہے کیوں اشک ہیں رواں

دونوں صاحبزادے اسی سلسلہ میں والدہ محترمہ سے کہتے ہیں -

بابا کو گھر میں آئے ہیں بیمار چھوڑ کر — اُن کی طرف سے فکر ہے ہم کو زیادہ تر
کیا کچھ خدانخواستہ انکو ہوا ضرر — ہم سر فدا کریں جو ہو بابا کو دردِ سر
کہیے تو جائیں سوئے وطن باندھ کر کمر
لائیں مزاج والد ماجد کی ہم خبر

بابا سے بھی زیادہ ہے حق ماموں جان کا — کس کس مشقتوں سے ہمیں پرورش کیا[۱]
ہیں چاہتے ہیں علی اکبر سے بھی سوا — سو آج اُن کے بدلے کٹائینگے ہم گلا
ہنس ہنس کے زخم نیزہ و شمشیر کھائینگے
قوت تمہارے شیر کی سب کو دکھائینگے

حضرت زینب صاحبزادوں سے فرماتی ہیں کہ بیٹا ماموں جان کی خدمت مقدم ہے - آج امتحان کا دن ہے - میں چاہتی ہوں کہ میرے نونہال اس امتحان میں پورے اتریں - اپنے سروں کو محبت و اطاعت کی قربانگاہ

---

[۱] پالا

پر نثار کر کے ثواب دارین حاصل کرو۔

بیٹوں نے جبکہ والدہ کے یہ بیان سنے
کہنے لگے غلام ہیں کس دن کیواسطے

جس میں رضائے سید والا حسین کی رضا ہو وہ کیجئے
سر سبز اس جہان میں گل فاطمہ رہے

تشویش مال و زر کی نہ اس آن کیجئے

ہم کو سرِ حسینؑ پہ قربان کیجئے

بیٹوں کی بات سنکے یہ زینبؑ بچشم نم
بولی کہ میرے سر کی بھلا کھاؤ تو قسم

ہاں ہو گے تم نثارِ سرِ سیدِ امم
لے لو گے اپنے حلق پہ تم خنجرِ ستم

شبیرؑ کے عوض جو گلے تم کٹاؤ گے

زینبؑ کی محنت آج ٹھکانے لگاؤ گے

لو آؤ شہ سے رن کی دلادوں تمہیں رضا
یہ کہکے ہاتھ بیٹوں کا اس نے پکڑ لیا

اس دم نجف کی سمت وہ زینبؑ مہ لقا
دستِ دعا اُٹھاکے یہ کرنے لگی دعا

رخصت میں سعی آن کے بہرِ خدا کرو

یا مرتضےٰ نواسوں کی حاجت روا کرو

فارغ ہوئے نماز سے جب شاہِ نامدار
خیمہ سے تب چلے طرفِ دشتِ کارزار

حاضر درِ خیام پہ تھا شہ کا راہوار
اُس پہ سوار دوش محمد ہوا سوار

جب قصدِ دشتِ جنگ ہوا اُس جناب کو

زینبؑ نے آکے تھام لیا تب رکاب کو

---

۱ دور ۲ حضرت امام حسین مراد ہیں ۳ محنت کا حق ادا کرو گے۔
۴ اجازت لے دوں ۵ وہ شہر جہاں حضرت علی مدفون ہیں ۶ حضرت عون و محمد حضرات عون و محمد ۷ حضرت امام حسین مراد ہیں۔

تھے جس جگہ ٹھہر گئے واں سرورِ زمنؑ — بازو پکڑ کے بیٹوں کا تب باغم و محن
زینب نے یہ کہا شہِ مظلوم سے سخن — تم جانتے ہو بیکس و نادار ہے بہن
خواہر یہ نذر دیتی ہے بھیّا قبول ہو
ان پیاسوں کو بھی جامِ شہادت حصول ہو

بہن کا نذرانہ

زینب کو آپ سے ہی بہت شرم و انفعال — قربان کرتی آج جو ہوتا متاع و مال
صدقہ میں جان پاک کے دیتی ہوں اپنے لال — اللہ سرخرو کرے اُن کو دمِ قتال
تن ان کے رن میں سنرہ روش پائمال ہوں
دنیا میں نونہال ہمارے نہال ہوں

حضرت امام روتے ہوئے بہن کا نذرانہ قبول کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔
یہ نذر ہے قبول نہ آنسو بہاؤ تم

اسوقت حضرت زینب صاحبزادوں سے مخاطب ہو کر کہتی ہیں:۔
مشہور تم جہاں میں ہو شیر خدا کے شیر — دیکھوں تو آج کرتے ہو کس کس کو جا کے زیر
ہاں میرے غازیو رہو دل زندگی سے سیر — ہر اک طرف سے اہلِ جفا تم کو لیں جو گھیر
تب بےحواس ہو کے نہ فریاد کیجیو
مشکلکشا کو اس گھڑی تم یاد کیجیو

سنکر کلام مادرِ محزون و دلفگار — خیمہ سے نکلے حضرتِ زینب کے گلعذار
آتے تھے تا شہ حُر کا لئے شاہِ نامدار — تھے گرد ان کے اکبر و عباس اشکبار

لہ و ٹہ و ٹہ و ٹہ حضرت امام حسین مراد ہیں ٥ قربان کرتی ہوں ٥ باد رہو

حضرت عون و محمد اسے اپنے لئے اسے نیک فال سمجھ کر مسرور ہو جاتے ہیں۔

یا ہم کیا یہ عون و محمد نے تب مقال — کیا ہی شگون نیک ملا ہے یہ حسب حال
اس طرح ہم بھی آئینگے ہو کر لہو میں لال — یہ کہہ کے آئے نزد شہنشاہ خوشخصال
تسلیم آخری جو بجا لائے ملول کی
حالت تباہ ہو گئی سبط رسول کی

روتے رہے یہاں تو شہنشاہ بحر و بر — سبطین مرتضےٰ ہوئے میدان میں جلوہ گر
برپا ہوا سپاہ مخالف میں شور و شر — ہنستے ہوئے آتے تھے بے خوف و بے خطر
رن میں وہ نور جلوہ فگن تھا جبین سے
اٹھتا تھا نور گرد کے بدلے زمین سے

اسدم یہ فوج سے عمر سعد نے کہا — ہاں ان کو جلد قتل کرو ہے یہی روا
سنتا تھا یہ کہ آگے بڑھا لشکر جفا — قبضوں پہ ہاتھ عون و محمد کا بھی پڑا
سبقت سپاہ ظلم کی یہ دیکھ بھال کے
در آئے قلب فوج میں تیغیں نکال کے

ناگاہ بیچ میں ہوئی ان غازیوں کی صف — اک شیر اسطرف ہوا اک شیر اسطرف
دونوں طرف وہ شیر تھے تیغیں اٹھے بکف — جس سمت آئے دشمن دیں ہو گئے تلف
چوکی کے لوگ اٹھ گئے گھبرا کے گھات سے
تیغوں کے گھاٹ اتر گئے دریا کی گھاٹ سے

سے۵۱ گفتگو کی۔ ۵۲ برا حال ہوا۔ ۵۳ گھس آئے

جاتی تھی نیچوں کی سر چرخ تک چمک　خورشید کی سپر تھا لگائے ہوئے فلک
پیمانۂ حیات چھلکتے تھے یک بیک　دیتے صدائے احرکم اللہ تھے ملک

کیا رعب ہے کہ تیغیں جو بالائے سر گئیں
کڑیاں زرہ کی صورت سنبل بکھر گئیں

زور بیاں

شعلہ فشاں تھے غازیوں کی نیچے کمال　سوزاں سپند ساں تھی رخ دشمناں پہ خال
مشتاق آب تیغ تھے مجروح بدخصال　لب ہائے زخم وا تھے بسان لب سوال

کوہ سر عدو ہوئے تیغوں کو مثل کاہ
آواز تھی یہ فتح کی ہر ضرب پر کہ واہ

لشکر غنیم ملکر حملہ کرتا ہے۔ حضرات عون و محمد زخمی ہو کر حضرت امام حسین کو مدد کے لئے پکارتے ہیں

یہ سنکے شہ کی آنکھوں میں عالم ہوا سیاہ　کھینچا کمر سے تیغ علی کو با شک و آہ
جب بھانجوں کی لاشوں کے اوپر پڑی نگاہ　دیکھا کہ حال عون و محمد کا ہے تباہ

حسرت سے سوئے خیمہ نظر کر کے روتے ہیں
آپس میں دونوں بھائی بغلگیر ہوتے ہیں

امام عالیجاہ بھانجوں کی لاشیں میدان جنگ سے اٹھوا کر خیمہ میں لے آتے ہیں حرم اہل بیت میں کہرام مچ جاتا ہے۔ حضرت زینب بیٹوں کی لاشیں دیکھ کر کہتی ہیں۔

۱ موت کی گرم بازاری بہت تھی ۲ و ۳ موت کے خواہاں تھے

تم نے عوض حسین کے جو اپنی جان دی — آئی ہوئی حسین کی تم پہ جو ٹل گئی
میں خوش ہوئی مگر یہ ہوا افسوس اس گھڑی — تم جیتے پھرتے دشت میں مرتی میں دل جلی

ہوتا نہ کوئی صدمہ علی کے نشان کو
لگتی تمہارے سر کی بلا میری جان کو

زنجیرِ جہنم سے جب آزاد ہوا حر — رضواں کی طرح خلد میں آباد ہوا حر
اک صحبتِ شبیر سے کیا شاد ہوا حر — سلمان ہوا بوذر ہوا مقداد ہوا حر

مولا نے اُسے لشکرِ ظلم سے نکالا
مختار کو گویا کہ جہنم سے نکالا

حضرت زینب حر کی شہادت سے بیحد متاثر ہوئیں۔ اور اس شہادت کو حُر کی نجات و اقبال کا باعث سمجھا۔

پھر عون و محمد کو قریب اپنے بلایا — اور لاش سرادل کی دکھا کر یہ سنایا
سردارِ دو عالم کے عوض سر جو کٹایا — دیکھو یہ شرف حر وفادار نے پایا

اس موت میں جینے کا مزا مل گیا حر کو
شبیر کے ملنے سے خدا مل گیا حر کو

اسی سلسلہ بیان میں یہ بیت ملاحظہ ہو

کیا خوب دمِ جنگ نصیب اسکا لڑا ہے
یہ مردہ نہیں یا چودھویں کا چاند پڑا ہے

---

[1] دوسرے کی مصیبت تمہارے سر پڑی [2] زندہ واپس آتے۔

دونوں صاحبزادوں نے جواباً عرض کیا۔ کہ بے شک حُر خوش نصیب تھا۔ مگر یہ سب امام کی پرورش و حمایت ہے۔ کہ ایک ادنےٰ شخص شہادت پاکر ایسے مرتبہ کو پہنچ گیا۔ وہ اگر

چاہیں تو زمیں کو شرفِ عرش علا دیں قطرے کو گہر خار کو گل کر کے دکھا دیں
ادنیٰ کو بھی یہ مسندِ اعلےٰ پہ بٹھا دیں تارے کو قمر ذرّے کو خورشید بنا دیں
شبنم کو گہر خار کو گلشن کریں شبّیر
غنچہ کو چمن دانہ کو خرمن کریں شبّیر

حضرت زینب نے فرمایا۔ کہ یہ سب کچھ صحیح ہے۔ مگر اس وقت تمہارے مناسب یہی ہے۔ کہ لڑو اور شہید ہو جاؤ۔ میں تو صبح سے یہی کہہ رہی ہوں۔ مگر تم خدا جانے کیوں خاموش ہو۔

کس دن کے لئے سیکھا ہے نیزے کا ہلانا گر آج بھی بھالا کسی شامی پہ نہ تانا
کیا بھول گئے تیر نشانے پہ لگانا ماموں کے حریفوں کو کرو آج نشانا
چو رنگ لگانے تھے ہر اک روز وطن میں
اک دو کو بھی چو رنگ نہ تم نے کیا رن میں

حضرات عون و محمد یہ کہکر ماں کا دل بڑھاتے ہیں

تلوار کی موت اہل شجاعت کا ہے جوہر مرتے ہوئے پی لیتے ہیں آبِ دمِ خنجر
رن مردوں کی جاگیر ہے اور خانۂ زیں گھر تیغوں کی چمک چھاؤں ہے اور دھوپ ہے بستر

لہ چو رنگ لگانا۔ تلوار کا ایسا وار کرنا جس سے حریف چار ٹکڑے ہو کر گر پڑے۔

دل اپنا کفن اور جنازے سے غنی ہے
تابوتِ[1] رواں گھوڑے ہیں جوشن کفنی ہے

حضرت زینب اپنے بچوں کی یہ باتیں سُنکر بہت خوش ہوتی ہیں انہیں خیمہ میں لے گئیں۔ کپڑے بدلے۔ ہتھیار سجائے۔ اور جنگ کا زیور پہنا کر دعا دی۔ کہ

مقتل سے جو ملنے کو یہ حیدر کے گلے جائیں
فردوس تلک تیغوں کے سایہ میں چلے جائیں

پھر عرض کیا

لے موت انہیں قبر کے رستے سے لگا دے | گھر کی مرے بی بیوں کو راہ بتا دے
تلوار کا پانی مرے پیاسوں کو پلا دے | زینب کی مرادوں کے چراغ آج بجھا دے

دربارِ خدا میں انہیں جانا ہو مبارک
جیتے ہوئے پھر گھر میں نہ آنا ہو مبارک

اس کے بعد حضرت زینب نے فِضہ سے کہا کہ جناب امام عالی مقام کو خیمہ میں بلا لائے۔ فِضّہ نے یہ پیام دیا تو جناب امام حسین علیہ السّلام سمجھ گئے۔ کہ زینب کیوں بلاتی ہیں۔ مصلحتاً تشریف نہ لائے۔ آپ کے نہ آنے سے زینب رنجیدہ ہوئیں اور عون و محمد بھی پریشان ہوئے۔ کہ ہم جو ارادہ کر رہے تھے۔ اس کی تکمیل غالباً جناب امام نہیں چاہتے۔ مگر حضرت زینب اپنے ارادہ میں مستقل تھیں۔ وہ یکبارگی اٹھ کھڑی ہوئیں

---

[1] تابوتِ رواں چلتا ہوا جنازہ

اور :-

بیٹوں سے کہا روؤ نہ مشکل ہے سب آسان
گر بھائی نہیں آتے ہیں خود چلتی ہوں اس آن

تم ہاتھ میرا پکڑے ہوئے ہو آؤ میں قربان
پوچھیگا اگر غیر کوئی کیا ہے یہ سامان

کہدونگی کہ آفت میں حسین ابن علی ہے
بھائی کا تصدق یہ بہن لے کے چلی ہے

حضرت زینب پھر کچھ خیال کر کے رک گئیں اور فضہ سے کہا کہ حضرت عباس کو خیمہ میں بلا لاؤ۔ میں اُن سے اس معاملہ میں مشورہ لونگی۔ فضہ گئی اور حضرت عباس کو بلا لائی۔ حضرت زینب نے تمام معاملہ پیش کیا۔ اور پوچھا کہ بھائی کو میں نے بلایا تھا۔ کچھ تمہیں معلوم ہے۔ وہ کیوں نہیں آئے۔ حضرت عباس نے کہا

اک جان ہے اور سارے زمانہ کی بلا ہے
پر[۵۱] اُسپہ بھی امت کیلئے شکر خدا ہے

زینب نے کہا حق مری کچھ تم پہ ہیں بھیا
عباس نے کی عرض کہ احسان سراپا

وہ بولی تو بس کام کرو ایک یہ میرا
لیجاؤ میرے بیٹوں کو پیش شہ[۵۲] والا

گو صدقے کے قابل مرے دلبر نہیں عباس
پر کیا کروں کچھ اور مرے گھر نہیں عباس

غرض کہ حضرت عباس حضرات عون و محمد کو جناب امام کے سامنے لائے۔

---

۵۱ پر بجائے مگر اب متروک ہے۔ ۵۲ یعنی جناب امام حسین علیہ السلام

اور حضرت زینب کا پیام سنایا۔ آپ نے دونوں کو گلے لگایا۔ اور میدان جنگ کی اجازت دیدی۔

میدانِ جنگ میں حضرات عون و محمد کی آمد

سبطین شہ قلعہ شکن آتے ہیں رن میں
سرتاج شجاعانِ زمن آتے ہیں رن میں
اللہ کی قدرت کے چمن آتے ہیں رن میں
گویا کہ حسینؑ اور حسنؑ آتے ہیں رن میں
حیران بشر رن میں ملک چرخِ بریں پر
ہے آج قرانِ مہ و خورشید زمیں پر

دو یوسف بازار قضا آتے ہیں رن میں
دو گوہر دریائے وغا آتے ہیں رن میں
سبطین شہ عقدہ کشا آتے ہیں رن میں
کس طور سے دو نوشہہ آتے ہیں رن میں
شان اسد اللہ سے توسن پہ چڑھے ہیں
ہشیار کہ زینبؑ کے پسر رن پہ چڑھے ہیں

کیا غلغلہ کیا زلزلہ آمد نے دکھایا
اس غلغلہ نے غلغلۂ صور بھلایا
اس زلزلہ نے زلزلہ کو رستہ بتایا
محشر کو ہوا سکتہ قیامت کو غش آیا
غافل ہے جواب ظالم و مظلوم سے محشر
کیا آئے کہ خود رفتہ ہے اس دھوم سے محشر

غرضیکہ حضرات عون و محمد کی آمد کو اسی آورد و تکلف کے لیے کیف انداز بیان سے پھیلاتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ آخیر کی بیت یہ ہے:۔

لہ قران۔ ملنا۔ آپس میں نزدیک ہونا ۲ سبطین۔ جمع سبط۔ نور سے۔
۳ بے خود کھویا ہوا۔

فرعون کے مانند ہوا غرق حیا علم
پڑھتا ہوا توبہ کی دعا بھاگ گیا علم

حضرت دبیر کے قلم سے عون و محمد کی تعریف

اب نقل نویس قلم ابجد قدرت — اور نقش نگار چمن حسن لطافت
لکھنے ہیں یداللہ کے نواسوں کی شفاعت — سب کو ہے رہا نہیں صورتوں سے چشم شفاعت

تحفہ یہ مرقع اسداللہ کو دیں دینگے
کونین جو قیمت میں کوئی دیگا نہ دینگے

بو ہے گل جنت میں یہ رخسار نہیں ہے — ایمن میں تجلی ہے یہ دیدار نہیں ہے
قدر کھتا ہے طوبیٰ[1] تو یہ رفتار نہیں ہے — شیریں لب کوثر ہے یہ گفتار نہیں ہے

آئینہ میں جلوہ ہے یہ خط سبز کہاں ہے
غنچہ کے دہن ہے زبان ہے نہ بیاں ہے

عہد شکرستان لب عون میں حاشا[2] — طوطی کی زباں پہ نہیں تعریف کا کلمہ
رتبہ لب شیریں[3] محمد کا کہوں کیا — ہے جان جو شیریں تو وہ لب کان شکر زا

وا ہو جو دہن ان لب شیریں کی سخن میں
ہو نیشکر[4] انگشت تحیر ہو دہن میں

---

[1] آسمان پر ایک درخت ہے۔ [2] خدا کی قسم [3] یعنی اگر لب شیریں کی تعریف میں منہ کھولا جائے۔ تو انگشت حیرت نیشکر کی طرح شیریں ہو جائے [4] نیشکر گنا۔

ان کاکلوں کے بیچ میں ان عارضوں کا رو　　دو تسمے ہیں بحر دس کمند خم گیسو
آنکھوں کے بھی پڑے میں تنظر بند ہیں آہو　　آباد ہے ان آہوؤں سے کعبۂ ابرو

ان شیروں کا مسکن ہو دل شیر احد میں
سعدین کا انسے ہی قراں برج اسد میں

چار آئینہ کے حسن سی شش در ہو خدائی　　خورشید یہ ہو چار پہر چشم نمائی
چار آئینہ میں کب ہے یہ جلوہ یہ صفائی　　انکے تن روشن کی کرامت نظر آئی

چار آئینہ دیتا ہے خبر وجہ حسن سے
آنکھیں ہیں عیاں چار عناصر کی بدن سے

تلواروں کی تعریف

ان نیمچوں کی شمشیریں ہیں یاقوت غفار　　یامیاں میں ہیں خوابیدہ اجل خوف سی بیدار
یہ مطلع اقبال ہے یہ مقطع ادبار　　دن کو دو ہلال آج دکھا ئینگے یہ اکبار

تیغیں ہیں کہ شق القمر احمد نے کیا ہے
ایک ٹکڑا انہیں ایک انہیں حق نے دیا ہے

گھوڑے کی تعریف

مرزا صاحب کے نازک خیالیوں میں کون شک کرسکتا ہے۔ البتہ یہ سوال باقی رہتا ہے کہ یا مطلق مبالغہ و تکلف ہی کو بلاغت کہتے ہیں۔ یا اس کے لئے بھی سلاست مذاق اور اعتدال فکر کی کوئی شرط ہے۔ ملاحظہ ہو۔

؎۱ سعدین۔ دو نیک ستارے ؎۲ برج اسد۔ آسمان کے بارہ برجوں میں سے ایک۔ برج ہے جس کی صورت شیر کی مانند ہے۔

شبدیز فلک سامنے ان کے کمیتا ہے | بریں پہ شرارت ہے نسیم سحری سے
آنکھوں میں وہ شوخی ہے کہ شیشے میں پری ہے | سایہ ہے ہما نقش قدم کبک دری ہے

اس رخش کو گر سرمہ روی مد نظر ہو
آنکھوں میں بھرے اور نہ مژگاں کو خبر ہو

گرد قدم اس گھوڑے کی ہے سرمہ نایاب | اس گرد کے جلوہ پہ بلا گرد ہے مہتاب
رخ اس کا ہے شیروں کیلئے قبلۂ ارباب | اور نعل ہے آہوئے خطا کے لئے محراب

قطرے یہ عرق کے نہیں تسبیح ہما ہے
نقش قدم سجدہ گہ باد صبا ہے

دیکھا جو جلال انکا تو کہنے لگا لشکر | لو آئے دو یوسف دو سلیماں دو سکندر
دو ہاشم و دو حمزہ و دو حیدر و صفدر | دو جعفر طیار دو عباس دلاور

ان تمثیلات کے بعد فرماتے ہیں :-

اکثر نے خطاب ان سے کیا آکے برابر | کس برج کے تم چاند ہو کس کان کے گوہر
اس عمر میں کیا ایسی مصیبت پڑی تم پر | ننھے سے گلوں کو جو ہے یوں خواہش خنجر

کس ماں کی کمائی کو لٹانے کو ہو آئے
کس باپ کا تم نام مٹانے کو ہو آئے

رجز

موتی سے برسنے لگے پیاسوں کے دہن سے | فرمایا یہ دونوں نے ہر اک تیغ فگن سے
رستم کو غلام اپنا بھگا دیتا ہے رن سے | دعویٰ غلامی ہے حسین اور حسن سے

لے شبدیز گھوڑا سے - پتلی

گردوں کے بھی رتبے سے فزوں عز و شرف ہیں
ہم دونوں غلام پسرِ شاہِ نجف ہیں

اس کے بعد مسلسل بہت سے بند رجز کے لکھتے گئے ہیں۔ یہ کہ ہمارے مجرے کو فلک جھکتا ہے۔ پروں سے فرشتے ہمارے آستانے کی جاروب کشی کرتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں حضرت امیر کے بھی مناقب شروع ہو جاتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ید اللہ کا منبر دوشِ پیمبر ہے۔ آپ کا مولد وہ ہے۔ جہاں سب جھک جھک کر سجدے کرتے ہیں۔ مدفن وہ ہے کہ جہاں قطرہ گوہر بن جاتا ہے۔ آپ کا نیزہ جنات کا خون چاٹتا ہے۔ تلوار ایسی کہ جبرئیل کے پروں کو جس نے کاٹ کر رکھ دیا ہے۔

یہ تمام بند تاثیر و جوش سے یکسر خالی ہیں۔ نہ ان میں کچھ بلند مطالب ہیں۔ اور نہ کوئی شاعرانہ خوبی۔ البتہ فریق مخالف کی سفاہت اور سادگی ضرور اس سے آشکارا ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ حضرات عون و محمد جب یہ کہتے ہیں۔ کہ ہم فلاں کے بھانجے اور فلاں کے نواسے ہیں۔ تب اُن کو حضرات عون و محمد کی اصل حقیقت معلوم ہوئی۔ چنانچہ آگے چل کر یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ سُنکر فوج کفار میں سے کسی نے کہا۔ کہ اب ہم سمجھے ۔ آپ کون

ہیں۔ آپ کا خون بہانا کسی طرح مناسب نہیں۔ صرف شبیر کا سر درکار ہے

آغاز جنگ

اس حرف نے اک آگ کلیجے میں لگائی شیروں نے پری پیکروں کی باگ اُٹھا لی
پریاں یہ پکاریں کہ سلیماں کی دوہائی ہستی نے پکارا اجل آئی اجل آئی
گھوڑے عرق آلودہ ادھر آئے ادھر آئے
بجلی سے برستے ہوئے باراں نظر آئے

ان گھوڑوں کی ٹھوکر تھی کہ محشر کا طمانچہ گرد ایک طرف ریگ اُوڑا گاو زمیں کا
سب ریگ رواں بن گئے بال و پر صحرا ذرہ بنی خاک زمیں بن گئی عنقا
مینائے فلک شیشۂ ساعت بنے دم میں
خاک اُوڑتی تھی ہر سمت دلِ اہلِ ستم میں

بھائی سے کہا بھائی نے منہ پھیر کے اتنا یاں میسرہ تو تیرا ہے اور میمنہ میرا
گھوڑوں نے کہا ہم یہ صفیں دونوں تہ پا آواز دی تیغوں نے ہر ارشاد ہمیں کیا
اک نے کہا میں خون سے بھروں چرخ بریں کو
اک بولی میں چورنگ کروں گاو زمیں کو

محراب میں تیغوں کی کیا سجدہ ظفر نے اٹھا اٹھ کے ہر اک جسم سے تعظیم کو سر نے
محصول میں جوہر دیے شمشیر و تبر نے بر نیزے نے کھیل برچھیوں نے پھول سپر نے
اس طرح یہ پریشاں ہوئے تیغوں کی چمک سے
بینائی جدا آنکھ سے تھی آنکھ پلک سے

لے اڑتی ہوئی ریت

لشکر پہ جھکے وا ابن شبیر کے پالے　　پھر میمنہ والے تھے نہ تھے میسرہ والے
نے پنجہ کے دستہ تھے نہ پلکوں کے رسالے　　سب موت کے پنجہ میں جہنم کے حوالے
سر تیغوں سے دل جنگ سے رُخ رن سے پھرے تھے
دو شیروں میں نو لاکھ یہ روباہ گھرے تھے

کیا یکدل و یک تن تھے دم جنگ وہ خوش ذات　　اک چال تھی اک ڈھال تھی اک قول تھی اک بات
تلواریں تو دو تھیں مگر اک ضرب اور اک بات　　سب کہتے تھے حیرت سے کہیں دیکھا ہی یہ سیات [1]
دو تیغیں اور اک ہاتھ نیا ربط بیان ہے
قبضہ میں یداللہ کے تیغ دو زبان ہے

اس کے بعد مرزا صاحب ایک روایت لکھتے ہیں جو خاتمۂ جنگ کے لئے احیاناً ایک حیلۂ تسلسل نظر آتی ہے۔ یعنی جب عون و محمد نے بے شمار لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ تو عمر سعد نے اپنا ایک غلام حضرت زینب کے پاس بھیجا۔ کہ عون و محمد تمام امت کو ختم کئے دیتے ہیں۔ انہیں منع کیجئے۔ ورنہ ایک کلمہ گو بھی باقی نہ رہیگا۔ غلام آیا اور حضرت زینب سے کہنے لگا۔
یہ نیک ہے یا بد ہے مگر امت جد ہے
اے شافع محشر کی بہن وقت مدد ہے

زینب کی صدا کان میں بیٹوں کے جو آئی　　بس کانپ کے کی دونوں نے موقوف لڑائی
اور عون نے یہ بات محمد کو سنائی　　اماں کی تو مرضی نہیں کیوں لڑتے ہو بھائی

[1] لفظ اصل میں "ساتھ" تھا۔ ضرورتِ قافیہ کی وجہ سے "ہ" محذوف کر دیا گیا ہے۔

اب کیجیئے وہ کام کہ جو عفو خطا ہو
امت پہ فدا ہو شہ بیکس پہ فدا ہو

ان شیروں کا رکنا کہ بڑھے ظالم و گمراہ — پھر کونسا حربہ تھا کہ ان پر نہ چلا آہ
چلائے سوئے خیمہ کہ اے مادر ذیجاہ — جرأت ہے تو واقف ہوئیں غربت سے ہو آگاہ

دکھلا چکے ہم فوج کو شمشیر کا جلوہ
اب دیکھئے مظلومی شبیر کا جلوہ

وہ تو سوئے خیمہ یہ ابھی کرتے تھے تقریر — یہ جام اجل آیا لئے ساقی تقدیر
اکبر کے اور اصغر کے جو فدیہ تھے وہ دلگیر — اک برچھی سے بسمل ہوا اور اک ہدف تیر

گھوڑوں پہ بغلگیر ہوئے پیار سے دونوں
اور ساتھ گرے خاک پہ رہوار سے دونوں

بالائے زمیں گر کے یہ چلائے وہ غمناک — ہے وقت مدد اے پسر سید لولاک
یاں فوج سے نکلا عمر مرتد و ناپاک — دیکھا ہے پڑے عون و محمد بسر خاک

زخموں کی نہ پروا ہے نہ کچھ خوف قضا ہے
ہنستے ہیں وہ لیٹے ہوئے اور شکر خدا ہے

کہنے لگا مظلوموں سے تب ہو کے وہ حیراں — ہنسنے کا یہ کیا وقت ہے تم ہوتے ہو بیجاں
وہ بولے اسی موت کا تو تھا ہمیں ارماں — محسوب ہوئے ماموں کے فدیہ میں ہم اس آن

حق ہو گیا اماں کا ادا اس کی خوشی ہے
اللہ خوشی ہم سے ہوا اس کی خوشی ہے

کچھ ہو کے خجل پھر گیا وہ افسر گمراہ — اور طبل خوشی رن میں بجانے لگے بدخواہ

نکلا ہی کہ نقاروں کی سنتے ہی صدا آہ
افسوس کہ گھوڑے سے گرے سید ذیجاہ
تاریک ہوئے دو نو جہاں شہ[1] کی نظر میں
اک سینہ میں ناسور پڑا ایک جگر میں

فضہ حضرت زینب سے کہتی ہے۔ کہ بی بی ماتم کرو۔ تمہارے دونوں جگر گوشے لڑائی میں زخمی ہو گئے

زینب نے کہا فضہ سے خاموش خبردار
ماں کون پسر کس کے یہ کیا کرتے ہیں اظہار
انسان کو لازم ہے سمجھ کر کرے گفتار
کیا تو مرے اکبر کے ہے مرنے کی روادار
یہ بات تجھے کہنی مناسب ہی روا ہے
میرا کوئی بیٹا علی اکبر کے سوا ہے

اور قتل ہوئے عون و محمد تو مجھے کیا
دونوں نے مرا دودھ پیا تھا نہ پیا تھا
پر اب مجھے کچھ دیتے نہ دینے وہ حق اسکا
لا جلد مصلیٰ میں کروں شکر خدا کا
اب قبر میں سوؤ گی بہت چین سی زینب
فارغ ہوئی اس وقت بڑی دین سی زینب

اے لوگو اب اس آن مبارک ہو مبارک
زینب کو یہ سامان مبارک ہو مبارک
پورے ہوئے ارمان مبارک ہو مبارک
بیٹے چڑھے پروان مبارک ہو مبارک
حسرت تھی کہ بیٹے ہوں مرے شاہ کی صدقے
صدقے ہوئے وہ آج ہیں اللہ کے صدقے

---

[1] حضرت امام حسین مراد ہیں [2] قرضہ

حضرت اکبر و عباس دونوں لاشیں اٹھا کر حرم میں لے آتے ہیں

تب اکبر و عباس نے دونوں کو اٹھایا   حضرت نے عبا کھول کے اُوپر کیا سایہ
لے کر جو چلے گھر کو تو رونا بہت آیا

حضرت امام بھانجوں کو خیمہ میں چھوڑ کر روتے ہوئے باہر جاتے ہیں۔

روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئی خیمہ سے سرور   زینب نے یہاں لاشوں پہ برپا کیا محشر
تھے گوش پر آواز وہاں سبط پیمبر   ناگاہ صدا آئی کہ لو آؤ برادر
دم توڑتے ہیں شیر مرے مجھ کو سنبھالو
بچوں کو ہٹا دو علی اکبر کو بلا لو

روتے ہوئے دروازے سے آئے شہ ابرار   دیکھا کہ ہیں دم توڑ رہے وہ جگر افگار
زینب سے جو دیکھے نہ گئے نزع کے آثار   چلائی کہ اے موت خبردار خبردار
ایسا نہ ہو صدمہ تو کوئی انکو دکھائے
یوں آکہ مری بیار و نکو اک نیند سی آجائے

ماں کی بے قراری

کہتی تھی زینب کہ وہ آخر ہوئے ہیہات   لاشوں پہ برابر گری رو کر بخروش و قفات
اُس لاش پر اک ہاتھ تو اس لاش پہ اک ہات   چلاتی تھی ہیں وارِی گئی ماں کبھی لو بات
غربت میں ضعیفی میں مرا ہاتھ نہ چھوڑو
ساتھ آئی ہوں یثرب سے مرا ساتھ نہ چھوڑو

لہ قیامت بپا کی۔ بہت روئی ۲ہ جاں بحق تسلیم ہوئے ۳ہ ساتھ

لو یہ تو کہو موت ہوئی سہل کہ مشکل — کس طرح سے آسان ہوئی پہلی یہ منزل
اللہ کے دربار میں کیونکر ہوئے داخل — کیا تم نے کہا حق ہوا کس بات کا سائل
پوچھے جو خدا تم سے عبادت مری کیا کی
کہنا ترے شبیر یہ جان اپنی فدا کی

زینب کے بیانوں سے ہوا شور قیامت — سب کہنے لگے آج کھلی مادری الفت
کلثوم پکاری کہ عبث اب ہے یہ رقت — بانو نے کہا ہوتی ہے مردوں کو اذیت
شہ بولے یہی منزل تسلیم و رضا ہے
لاشوں سے صدا آئی یہی شکر کی جا ہے
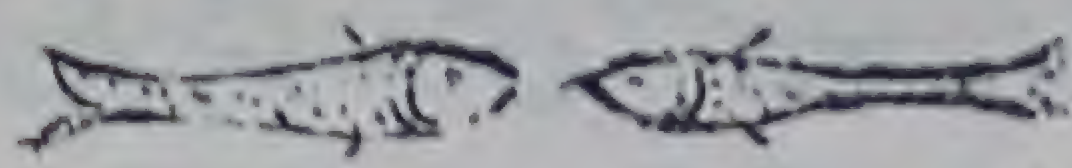
اب رایت زباں سر ممبر علم کروں — اور معنی بلند کا لشکر بہم کروں
مجلس میں ذکر شقہ حال علم کروں — رایت میں سلک نظم کے پرچم کو ضم کروں
بکھرا ہوا ہے شیر کبیر کا یہ جدال
شیر فلک کو دیکھ کے ہوتا ہے لال لال

حمزہ کے سر پہ سایہ فگن یہ ہما رہا — پھر دست بوس بازوئے خیر الوریٰ رہا
بعد ان کے دوش زید یہ شہپر کشا رہا — جعفر کے شانے پر یہ نشاں فتح کا رہا
کیا کیا جوان نبی کے گھرانے سے اٹھ گئے
اسکے اٹھانیوالے زمانے سے اٹھ گئے

---

۱ پہلی منزل ۲ ندا ۳ ظاہر ہوئی ۴ زبان کو علم سے تشبیہ دی ہے۔

۵ حمزہ آنحضرت صلعم کے چچا۔ خیر الوریٰ سے مراد آنحضرت ہیں۔ زید سے زید ابن حارثہ مراد ہیں۔

اب دیکھئے کسے یہ حسینی علم ملے　　کس خضر[1] تشنہ لب کو یہ ابر کرم ملے
پردیس میں قبالۂ باغ ارم[2] ملے　　لکھنے کو فرد بخشش امت قلم ملے

کس کا یہ حق ہے معرکۂ کارزار میں
اک پاؤں پر کھڑا ہے علم انتظار میں[3]

فوج خدا میں بھی ہیں طلبگار جابجا　　سرگوشیاں[4] ہیں گوشوں میں اظہار جابجا
یوسف ہے ایک اور خریدار جابجا　　مشتاق ہیں عزیز اور انصار جابجا

شمشاد اس نشاں کا کیا سامنا کرے
سایہ ہوا ہے سرو کو اپنی دوا کرے

ہر چند سب پہ اشتیاق ہو امید و انتظار　　پر تابع رضائے حسینی ہیں جاں نثار
زینب کے یادگار علم کے ہیں ورثہ دار　　لیکن بڑا یہ کہتا ہے چھوٹے سے بار بار

بھائی علم کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیو
حضرت کو اور علم کو برابر نہ دیکھیو

ٹھیک اسوقت خیمہ اہل بیت میں

فضہ کو حکم دیتی ہیں زینب کہ رن میں جا
طالب کہیں علم کے نہ ہوں میری دلربا

---

[1] خضر ایک پیغمبر کا نام ہے۔ ایک روایت ہے کہ خضر و الیاس دونوں نے آب حیات پیا ہے اس واسطے تا قیامت زندہ رہینگے [2] ارم۔ شداد کا مشہور باغ جو اب نظروں سے غائب ہے [3] مصرعہ کی خوبی یہ ہے کہ علم کا صرف ایک پاؤں ہوتا ہے۔ دوسرے ایک پاؤں پر کھڑا ہونا محاورہ ہے جسکے معنی ہیں عاجزی ظاہر کرنا۔ [4] سرگوشی کرنا۔ کانا پھوسی کرنا کھسر پھسر کرنا۔ سامنا کرنا مقابلہ کرنا

اسی سلسلہ بیان میں ارشاد کرتی ہیں کہ

کس دان کیواسطے طلب ہے ایت ظفر — واری یہت جیوگے جوائث تم تو دو پہر
یہ دو پہر رولائیگی زینب کو عمر بھر — دنیا سے آج فوجِ حسینی کا ہی سفر
گھر سے تمہیں حسین کے صدقے کو لائی ہوں
میں بے نشاں ہونے کو تیرے آئی ہوں

ناگہ وہاں حسین کا جاسوس معتبر — آیا عمر کا نظم و نسق دیکھکر ادھر
عباس کی طرف کو مڑے شاہِ بحر و بر — فرمایا سن لو اس سے کہ لایا ہے کچھ خبر
پر ہوشیار خیمۂ عفت قریب ہے
پردے کے پیچھے زینبِ غربت نصیب ہے

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

عباس لائے گوشہ میں اس کو علیحدہ — فرمایا کہ کیا ہے وہاں کیا مشاہدہ
کی عرض ہر نیا یہ لڑائی کا قاعدہ — انیس لاکھ جمع ہوئے ہیں ملاحدہ
اور

دنیا میں ہیں جو نام برآوردہ اہل شر — لے لیکے عہد دیتا ہی عہدے انہیں عمر
منظور ہے نبیؐ کے ولیعہد کا ضرر — قتلِ حسینؑ قید حرم ضبط مال و زر
کیا رای بد ہے رے کیلیے شاہ سے پھرا
ایمان سے رسول سے اللہ سے پھرا

۵۰ رے ۔ ایک شہر کا نام ہے ۔ جہاں امام غزالی رحمہ اللہ علیہ پیدا ہوے

گھاٹوں کا منتظم ہے حصین زبوں صفات　　رافع دروغ پیشہ ہے داروغۂ فرات
پیاسوں کو قحطِ آب سے اللہ دے نجات　　کہتا ہی پہرداروں سے ہردم عمر یہ بات

ہاں سرفروشو جان لڑانا لڑائی ہیں
پیاسوں کے خون آج بہانا لڑائی ہیں

اب دیکھیے مرقع ترتیب فوج شام　　فرمانروائے میسرہ ہی شمر زشت فام
ہے میمنہ[۱] پہ وارث حجاج کا مقام　　لیکن دریدنام عمر کا جو ہے غلام

گردوں پہ اب دماغ[۲] ہے اس کجکلاہ کا
اُس کو علم دیا ہے عمر نے سپاہ کا

اس کے بعد جاسوس حیران ہوکر یہ پوچھتا ہے کہ ؎

یاں اب تلک نشان بھی علمدار کا نہیں
ساعت بھی کوئی جنگ کی ٹھہری ہے یا نہیں

امام جواب دیتے ہیں کہ تقدیر اختیار بشر میں نہیں ہے۔

بولا وہ سر جھکا کے بجا کہتے ہیں حضور　　لیکن بڑے حضور سے اظہار ہی ضرور
لایا ہوں ٹھیک میں خبر لشکر غرور　　بڑھکر ادب سے تھم گئے عباسِ ذی شعور

رُخ اپنا سوئے اکبر عالی نسب کیا
اور آنکھ کے اشارے سے اُنکو طلب کیا

۱ؔ میمنہ وہ حصّہ فوج جو دائیں طرف ہو
۲ؔ گردوں پہ دماغ ہونا۔ مغرور ہونا۔

نعمانی کے پاس آئے جو ہمشکل مصطفا[1] دہرائیں اُن سے سب خبریں اور یہ کہا
حضرت کو آپ جا کے سنائیں یہ ماجرا وہ بولے آپ ہی نہ کہیں چلکے میں فدا
فرمایا عارفانہ تجاہل نہ کیجئے
تکلیف اس بیان کی ہم کو نہ دیجئے

حامل عَلَم کا داں عُمرِ سعد کا غلام عباس یاں غلام شہنشاہِ خاص و عام[2]
کہنے میں اس خبر کے تامل کا ہو مقام سمجھیں کہیں نہ حُسنِ طلب قبلۂ انام
ہے آرزو عَلَم کی نہ دنیا کے چین کی
ہمکو تو سلطنت ہے غلامی حسینؑ کی

یہاں سے مرثیہ نگار اپنے عقیدہ کے مطابق لکھتا ہے کہ علم کے باب میں فال دیکھی گئی۔ یہ فال مصحفِ زہرا سے لیگئی۔ مصحفِ زہرا کی شانِ نزول مرثیہ نگار کے نزدیک یہ ہے۔ کہ جب حضرت فاطمہ زہرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بدرجۂ غائت غمگین و ملول ہوتی تھیں۔ تو حضرت جبرئیل حکم خداوندی سے آپ کو عجیب عجیب افسانے سناتے تھے یہی افسانے قلمبند کر لئے گئے۔ اور ان کا نام مصحفِ زہرا پڑا۔

ہم کو ان "افسانوں" سے کوئی غرض نہیں۔ شاعرانہ حیثیت سے اگر کوئی بات کہیں اچھی معلوم ہوئی تو وہ اس مجموعہ میں بکمال فراخدلی سے لے لی گئی ہے۔ "مصحف اور افسانہ" کی ذمہ وار گردن راوی ہے۔

---

[1] ہمشکل مصطفا سے حضرت قاسم مراد ہیں [2] شہنشاہِ خاص و عام اور قبلہ انام سے حضرت امام حسین مراد ہیں [3] شہ امم سے مراد حضرت امام حسین ہیں۔

پھر تو ملازمانِ شہِ[1] کربلا بڑھے　　بڑھنے کو سب عیارتِ حکمِ خدا بڑھے
مشتاقِ منصبِ علمِ مصطفا بڑھے　　لیکن نہ بازوے شہِ گلگوں قبا بڑھے
دونوں قدم زمینِ ادب میں گڑے رہے
سر خم کئے کھڑے جہاں تھے وہاں کھڑے رہے

انسان تو کیا ملک بھی نہیں ایسے مستقل　　تھا سروِ بوتراب[2] قناعت سی پا بگل
دیکھے جو حسن انکی اطاعت کے متصل　　پہلو میں وجد کرنے لگا شاہ دیں کا دل
رونے لگے حسینؑ نصیب ان کے لڑ گئے
آنسو کے قرعے نام مبارک پہ پڑ گئے

کھولا ابھی جو مصحفِ خاتونِ دوسرا[3]　　یعنی علم کے واسطے حکمِ خدا ہے کیا
نکلا سرے پہ قصّۂ عاشورِ کربلا　　لکھتے ہیں یہ زبانئ جبریلِ مرتضا
فوجِ خدا کی زیب ہے سالاری حسین
عباسؑ پر ہے ختم علمداری حسین

پھر ہاتھ میں لیا علم شافعِ اُمم[4]　　عباس کی طرف کو بڑھے خود کئی قدم
فرمایا تم کو شرم تھی سو آپ آئے ہم　　لو بھائی لو خدا نے تمہیں کو دیا علم
حمزہ کی ارث پائی ہمیں نذر دیجئے
ہاتھوں پہ رکھ کے سر وہ پکار کہ لیجئے

---

۱ شہ کربلا ۔ بشر گلگوں قبا سے حضرت امام حسین مراد ہیں ۲ سروِ بوتراب سے حضرت عباس مراد ہیں ۔ شہِ دیں سے حضرت امام حسین مراد ہیں ۔ دل پہلو میں وجد کرنے لگا دل کانپنے لگا ۔ نصیب پڑنا کامیاب ہونا ۔ قرعہ پڑنا فال نکلنا ۔ ۳ خاتون دوسرا حضرت زہرا مراد ہیں ۴ شافع امم ۔ آنحضرت مراد ہیں ۔

اس کے بعد رفقائے امام نذرِ لے لیکر سامنے آتے ہیں

پر نذر دیکھے عون و محمد ملک شیم　　اک گوشے میں کھڑے تھے کئے گردنوں کو خم
تھی فکر یہ کہ فدیۂ اول ہوئے نہ ہم　　ہوتے ہیں آگے فوج کے سب حاملِ علم

سبقت نصیب حضرتِ عباس ہو گئی
تھی آس پہلے مرنے کی اب یاس ہو گئی

جاسوس نے عمر[1] کے جو دیکھا یہ ماجرا　　جاکر کہا عمر سے خداوند کچھ سنا
بولا وہ کیا کہا کہ مبارک کرے خدا　　واں تفرقہ سپاہِ حسینی میں پڑ گیا

منصب جو اپنے حد کا نہ پایا خفا ہوئے
جعفر کے پوتے فوج سے اپنی جدا ہوئے

گردن اٹھا کے کہنے لگا شمر[2] بد شعور　　ہاں سچ تو ہے کھڑے ہیں الگ سب سے وہ غیور
اُسنے کہا کہ ان کا ملا لینا ہے ضرور　　تجکو ہے جوڑ توڑ[3] کا اپنے بڑا غرور

ہاں ہدیۂ یزید کو زینب کا کے لال لا
دو لختِ دل حسین کے دل سے نکال لا

پھر اس طرح گویا ہوا۔

روٹھے ہیں اک علم پہ یہ شاہِ انام سے　　لیجا تو چار پانچ علم فوجِ شام سے
سمجھا بجھا کے ان کو جدا کر امام سے　　بھڑکا چراغ نور کے حسن کلام سے

---

[1] عمر سالار فوج شام۔ جعفر کے پوتے۔ حضرت عون و محمد۔ [2] فوج شام کا ایک افسر
[3] جوڑ توڑ کر۔ مکر و فریب سے کسی کو ساتھ ملا لینا۔ یا کسی کو جدا کر دینا۔

ان سے جاکر کہنا کہ حضور سے
نقائے سک رہے ہیں غلامی کیواسطے
سردار مستعد ہیں غلامی کے واسطے

سینے پہ ہاتھ رکھکے پکارا وہ بد شیم
یہ بھی^۱ ہے کوئی کام ابھی لائے اُنکو ہم
اچھے سے اچھے اُسنے چنے جلد دو علم
پٹکوں میں جن کے نصب جواہر تھے یکقلم
دو کشتیاں لیں ایک میں تو سرو جام تھے
اور ایک میں چُنے ہوئے میوے تمام تھے

آگے گمان بد ہوا پیچھے وہ بد گماں
تدبیر کے اُلٹنے کو تقدیر درمیاں
رعشے^۲ کی ہر قدم تھی ندا جھک یہاں وہاں
آیا وہاں کھڑے تھے یہ دونوں خضر جہاں
دونوں کی آنکھ شمر پہ جو یک بیک پڑی
نخوت پسینہ بنکے جبیں سے ٹپک پڑی

خم ہو کے نیم قد یہ کیا شمر نے کلام
اے وارثانِ حیدر و جعفر مرا سلام
یہ آن بان^۳ کے گئے رستمانِ شام
واللہ آج تم پہ ہے جرأت کا اختتام
یہ بانکپن نظر میں کھپا^۴ جی میں گڑ گیا
سکہ دلوں پہ آپ کی غیرت کا پڑ گیا

حیراں ہیں سب یہ آپ کے ماموں نے کیا کیا
تم کو نہ حاملِ علمِ مصطفا کیا
منصب تمہارا بھائی کو اپنے عطا کیا
لشکر سے انکے آپ اُٹھ آئے بجا کیا

سلہ بہت بالکل معمولی کام ہے ۔ سلہ یعنی جسم پر رعشہ طاری ہے
سلہ آن بان ۔ شان و شوکت ۔ سلہ نظر میں کھپنا ۔ پسند آنا

سمجھیں نہ جب بزرگ تو خردوں کو چارہ کیا
الفت خدا کی دین ہے اس میں اجارہ کیا

شبیر اب علم بھی جو دیں تو شے لیجئے
حاضر یہ دو علم ہیں قبول ان کو کیجئے
سب کچھ ہے چاہیئے جسے جو آپ دیجئے
سو لہو کی پیاس ہے پانی تو پیجئے

ناحق ہے سوچ شوق سے تشریف لیچلو
نو لاکھ کورنش کو کھڑے ہیں چلے چلو

لو فوج و ملک و مال و خزانہ بس اور کیا
یثرب کو دھوم سے ہو روانہ بس اور کیا
دیں نذر خسروانِ زمانہ بس اور کیا
فرمائیں ہاں زباں سے یا نہ بس اور کیا

بیت الشرف کے در پہ جہاں التجا کرے
اور پانچ وقت نوبت شاہی بجا کرے

ہر قوم و ہر دیار کے یاں بھی ہیں کج کلاہ
رن کی بساط تیغ کا دم رونق سپاہ
در نجف نہیں مگر ان میں خدا گواہ
فرمائیے جو آپ قدم رنجہ واہ واہ

جب ہاشمی کہیں کہ جگر ہم نبی کے ہیں
چلاؤں میں ادھر بھی نواسے علی کے ہیں

مگر اس تقریر کا علی کے نواسوں پر یہ اثر ہوا۔ کہ ؎

یہ سنکے آپ میں نہ محمد رہے نہ عون
شیر خدا کے شیر جو بپھریں سنبھالے کون

لہ دھوم سے ۔ شان و شوکت سے ۔ بڑے ٹھسے سے

تن تن کے صاف سینوں کی ڈھالیں سنبھال لیں
آدھی سروہیاں کمروں سے نکال لیں

علم کے ذکر پر اپنے اور حضرت عباس کے متعلق ارشاد کیا۔

ہم اور وہ ہیں ایک تجھے ہی خیال گیا ۔۔۔ اُنکو ملا ہمیں کو ملا فیل و قال کیا
یہ تو ہماری عین خوشی تھی ملال کیا ۔۔۔ حکمِ امام میں ہو تفاوت مجال کیا

اس رہنما پہ خضر بھی الیاس بھی نثار
ہم بھی علم بھی فوج بھی عباس بھی نثار

اے شمر کس شمار میں تو اور ترا یزید ۔۔۔ اور کس شمار میں یہ صفِ لشکرِ پلید
شاہوں میں مند و بست تھا شداد کا شدید ۔۔۔ آج اسکی خاک تک بھی زمیں سے ہے ناپدید

نمرود کو خدائی کے دعوے سے کیا ملا
بندوں میں جس نے ترکِ خودی کی خدا ملا

دروازے اس چمن کے ہیں دو اک سے اک جدا ۔۔۔ دربان ہے ایک در پہ حیات ایک پر قضا
مشتاق سیرِ باغ کو عبرت کی ہے ندا ۔۔۔ اک در سے آ تماشے کو اور ایک در سے جا

شاہ و گدا کا مسند و بستر سے کوچ ہے
اک در سے داخلہ ہے اور اک در سے کوچ ہے

۱؎ علی کے نواسوں سے حضرت عون و محمد مراد ہیں ۲؎ دن کو چراغِ نگر جلانا۔
۲؎ دن کو چراغِ نگر جلانا۔ دھوکے بازی کرنا
۳؎ شداد۔ ایک بادشاہ کا نام ہے۔ جس نے باغِ ارم تیار کرایا تھا۔

ارشاد ذو ولمنن سے اگر پھر امتحان　　پیدا ہوں سو ہزار زمیں لاکھ آسمان
اور ایسے لاکھ شہر بسیں اُنکے درمیان　　ہستی بھی جاودان ہو حکومت بھی جاودان

لینے کا سلطنت ۵۱ کے نہ زنہار نام لیں
ہم دونوں ایک دامنِ شبیر ۵۲ تھام لیں

شیروں سے ڈر کے بھاگ گیا شمر بدخصال　　جس طرح چوٹ کھا کے بھر جوکڑی غزال
راہی حرم سرا کو ہوئے یہ ملک خصال　　کچھ غصہ کچھ حجاب کچھ افسوس کچھ ملال

چلنے میں سا شرم سو قدم آگے بڑھی ہوئی
منہ اُترا اُترا غصہ سے تیوری چڑھی ہوئی

حضرت عون و محمد خیمۂ اہل بیت میں پہنچے تو حضرت زینب نے حالتِ جوش میں صاحبزادوں سے دریافت کیا۔

کیا مشورہ تھا شمر سے وہ بولے کچھ نہیں
فرمایا خوب لوگوں میں چرچا ہے پھر یونہیں

اس کے بعد فرمایا

تم نیک ہو تمہاری بلا جانے مکر و فند　　یہ شمر اپنے نام کا ہے ایک خود پسند
حضرت کے چاؤ پیار سے تم ہو جو بہرہ مند　　منظور ہے کہ پست ہو وہ رتبہ بلند

او شمر جا نشانہ تیرِ شہاب ہو
دنیا خراب ہو تیری عقبےٰ خراب ہو

۵۱ نام لینا خواہش ظاہر کرنا ۵۲ دامن تھامنا۔ مدد طلب کرنا۔ کسی کے ساتھ ہونا۔

...بہ ہے مجھے تو اور یہ وسواس اب ہوا — شاید علم نہ ملنے کا تم کو تعب ہوا
عباس کو ملا جو علم کیا غضب ہوا — گذرا جو ناگوار خلافِ ادب ہُوا
آئی کوئی بلا نہ پدر کی کمائی پر
قربان دونوں تم مرے عباس بھائی پر

قدرت خدا کی اپنے بزرگوں سے آن بان — تمکو بھی اب ہوئی یہ لیاقت خدا کی شان
منہ پر حضور کہتے ہو اور چھوٹے ماموں جان — اور پیٹھ پیچھے ہائے غضب ہمسری کا دھیان
دونوں جہاں میں موردِ الزام کر دیا
تم نے ہمارے دودھ کو بدنام کر دیا

قبلے کو ہاتھ اُٹھا کے پکارے وہ مہ لقا — امّاں برب کعبہ کہ خادم ہیں بیخطا
سن لیجئے ہماری تو پھر ہوجیئے خفا — جن کو حضور پالینگی وہ ہونگے بیوفا
اکبر سے پوچھ لیجئے نا ای فلک مقام
کھل جائے جھوٹ سچ کی حقیقت ابھی تمام

شمر زباں دراز یہ تھا اختیار کیا — کچھ یاد بھی نہیں کہ بکا نا بکار کیا
کاذب کے قول و فعل کا ہے اختیار کیا — ہم تو وہی ہیں آپ کو پھر اضطرار کیا
ایسے دیے جواب کہ نقشہ بگڑ گیا
جیتا زمیں میں صورتِ قارون گڑ گیا

دودھ کو بدنام کرنا۔ ماں کو ذلیل کرنا۔ ۵۲ نقش بگڑنا۔ چہرہ بگڑنا۔ صورت حالات کا اور سے اور ہو جانا۔ ۵۳ قارون حضرت موسیٰ کے زمانے میں ایک مشہور بخیل گزرا ہے۔

ناگہ محل میں غرق بخوں آئے شاہِ دیں — تڑپی بہن تو بولے یہ میرا لہو نہیں
حُر نے بسائی مقتلِ سادات کی زمیں — لاش اس کی لائے گود میں الفت سے خود ہمیں

زینب نے حُر کے سوگ میں فریاد و آہ کی
شرما کے نورِ چشموں پہ اپنے نگاہ کی

وہ گر پڑے حسین کے قدموں پہ دوڑ کر — پوچھا بہن سے شاہ نے کیوں ہیں یہ چشم تر
مطلب ہی کیا جو میری خوشامد ہے اسقدر — بولی کسیکے دل کی مجھے بھائی کیا خبر

فضّہ پکاری آکے شہِ دیں کے روبرو
قربان جاؤں مصلحتاً ہے یہ گفتگو

عبّاس کو نشاں جو تم نے عطا کیا — چُپ چُپ کچھ اُس گھڑی سے ہیں یہ دونوں مہ لقا
باہر نہ جانے شمر نے کیا جھوٹ سچ کہا — ان کو تو کچھ حیا ہے خوزادی کو کچھ گِلا

عباس کی طرح سے کرم ان پہ کیجئے
اُنکو علم دیا ہے رضا ان کو دیجئے

حضرت سے ملتجی ہوئی خود زینبِ حزیں — کچھ حُر کا حق ہے ہم پہ یہ بھی فرمایا کیوں نہیں
مُحسن ہے میرے خورد و کلاں کا وہ خوش یقیں — اُسنے کہا کہ میری بھی نزدیک ہے یونہیں

شامل رضا جو آپ کی تائیدِ حق سے ہو
زینب ادا تمہارے ہراول کے حق سے ہو

حضرت کے فدویوں کو شہادت کا شوق ہے — جنگل میں سیرِ گلشنِ جنت کا شوق ہے
جاگے ہیں شب کو خوابِ فراغت کا شوق ہے — زینب کو حُر کی لاش پہ زینت کا شوق ہے

حر کی طرح سے خون میں رنگیں لباس ہوں

مہماں کی لاش بیچ میں یہ آس پاس ہیں

زانوئے فکر پر شہ دیں نے دھری جبیں
لیکر بلائیں کہنے لگی زینب حزیں

کعبے میں جو کہا تھا وہ ہی یاد یا نہیں
وعدہ تھا میری خواب کی تعبیر کا نہیں

ای یوسف علی مری خاطر نشاں کرو
فرمایا شہ نے خواب پھر اپنا بیاں کرو

بولی مقیم کعبۂ اعظم تھے جب امام
کیا دیکھتی ہوں خواب میں اے قبلۂ انام

اک دشت ہولناک میں لونڈی کا ہی قیام
ہر ہاتھ میں دو خوشۂ انگور سبز خام

ناگاہ رنگ زرد ہوا ہوش کھو گئے
دو دانے یا تو سبز تھے یا لال ہو گئے

بیساختہ تڑپ گئے دل کو پکڑ کے شاہ
چلائے آہ ایسے جوانوں کی موت آہ

زینب پکاری میں تو ہوں راضی خدا گواہ
بولے حسین صبر کی توفیق دے اللہ

اس خواب سے ہے غم کے سوا اور دھیان کیا
تعبیر تو عیاں ہے عیاں کا بیان کیا

انگور میوہ میوے سے اولاد ہے مراد
دو بن یہ کربلا ہے بلا حسین کی خانہ زاد

ہم یاں شہید ہونگے حدیث نبی ہے یاد
وہ دونوں خوشے ہیں ترے فرزند خوش نہاد

کی عرض آشکار یہ تعبیر ہوگی کب
رو کر حسین بولے اسی روز بلکہ اب

لے زانو پہ جبیں دھرنا۔ سوچنے لگنا۔ ۲ہ ہوش کھو گئے۔ ہوش جاتے رہے

حضرت زینب صاجزادوں کو لباس جنگ سے آراستہ کرتی ہیں۔

جھاڑی مژہ کے پنجہ سے پھر زلف مشک فام　　روشن ہوئی ہزار شب قدر سے یہ شام
بولی تمہاری شامِ غریبی ہوئی تمام　　اب ہم ہیں اور گردش لیل و نہار شام
پہنایا جامہ زیبوں کو اپنے لباسِ جنگ
پوشاک یوں بدن پہ کھلی[1] جیسے گل پہ رنگ

اس کے بعد

پھر زیور سلاح سنوارا پئے جدال　　قہر خدا کی تیغ پناہِ خدا کی ڈھال

لباسِ جنگ سے مسلح ہو کر

یہ دونو بھائی آئے جو خدمت میں شاہ کی　　آنکھوں سے تو نگاہ کی اور دل سے آہ کی
لیکن بہن کے صبر و تحمل پہ واہ کی　　فرمایا بس یہ شان ہے نذر الہ کی

حضرت زینب خدا سے دُعا مانگتی ہیں۔

دیتا ہے اے کریم تو سائل کو بے سوال　　بخشا خضر کو چشمہ[2] سلیماں کو ملک و مال
ہم فاقہ کش ہیں تیری نبی و علی کی آل　　نادار و بے دیار و پریشان و خستہ حال
اک چشم مرحمت ہے تری دو جہان پر
سب نعمتوں کا ذائقہ ہے اک زبان پر

اس دم میں بیچ اس ہوئی بھائی کیواسطے　　آگے تری کھڑی ہوں گدائی کیواسطے
نے ملک چاہتی ہوں دنیا کے چین کو　　میں بھیک مانگتی ہوں مجھے دے حسین کو

---

[1] کھلی - سج گئی۔ [2] چشمۂ حیواں مراد ہے اسے چشمہ آب بقا۔ چشمہ ظلمات بھی کہتے ہیں۔

دعا اور بھی پُرتاثیر ہو جاتی ہے ۔ جب آپ کہتی ہیں ۔

قربان ہو گئی میں تیری کبریائی کے
بیٹوں پہ روکے روؤں نہ لاشے پہ بھائی کے

اس کے بعد لکھتے ہیں ۔ کہ

ناگاہ بے فروغ ہوا مشرقِ خیام
زینب کے آفتاب چلے سوئے فوجِ شام

دونو بھائی گھوڑے اڑا کر لشکرِ غنیم کے سامنے پہنچ جاتے ہیں سبک رفتار گھوڑوں کے رُکنے پر ایسا نظر آتا تھا ۔ جیسے دو نیزے ٹھہر گئے دو آندھیاں تھم گئیں ۔ حضرت عون و محمد کے اس بیان سے کہ ؎

ہے شمر کس شمار میں مارا اگر تو کیا
چھینا فرات کا بھی کنارا اگر تو کیا

اور ؎

کیا تختِ سلطنت ہے امیرِ پلید کا
دل پر رکھیں تو ملک الٹ دیں یزید کا

ان کے جنگی جوش اور عزم بالجزم کا پتہ چلتا ہے ۔

حضرات عون و محمد کی رجز خوانی سے لشکر مرعوب ہو جاتا ہے ۔

سنکر رجز لرز گئے مردانِ گیر و دار | تولا عمر نے نظروں میں ہر ایک کا وقار
دو غول انتخاب کئے بہر کار زار | دو دو ہزار ان میں تھے یکتائے روزگار

۱؎ نظروں میں تولنا ۔ نظروں میں جانچنا ۔

نکلے وہ غول فوج سے یا مردے گور سے
قرنا پھکی دہل بھی نجے زور شور سے
نقارے پر جو چوٹ پڑی صدا اٹھی یہ دھوم
دوں دوں عمر کمینہ کمینہ یزید شوم
یاں شوق حرب و ضرب کا دل پر ہوا ہجوم
بڑھتے ہی تازیوں کے ہوئے گرد شام و روم
بجلی سیاہ چیز پہ گرتی ہے بیشتر
تیغیں گریں سپاہ کے بخت سیاہ پر
آئے تھے دو گروہ ادھر سے جو بہر جنگ
نکلے قضا کی لہر ہیں انہیں سے دو نہنگ
شانوں پہ گرز گاو سر اور زیر ران پلنگ
سبطین شیر حق کے حضور آئے بیدرنگ
اس
منھ دیکھ کر محمد عالی مقام کا
بولے یہ عون معرکہ ہے دھوم دھام کا
کی عرض اس نے شکر خدائے انام کا
وہ آپ کا شکار ہے اور یہ غلام کا
آتے ہی ان دلیروں نے کی ابتدائے حرب
اک خیرہ سر نے عون کے سر پر لگائی ضرب
بڑھ کر لگائی عون نے بھی تیغ بے پناہ
دو ٹکڑے ہوگئی سپر ترک روسیاہ
چھوٹا پکارا قبیلۂ حاجات واہ واہ
یہ ضرب معجزہ ہے کرامت خدا گواہ
کٹ کٹ کے پھول بہ گئے قرص سپر بہا
کیا زیر آب تیغ گل نیلوفر بہا

سلہ دھوم دھام کا معرکہ ۔ عظیم الشان معرکہ

اردو مرکز لاہور

شبیہ میر ببر علی انیس اعلی اللہ مقامہ

تھا اس طرف حضورِ محمدؐ جو بدصفات | عزّیٰ پرست عبد ہُبل خاکپا ئے لات
اس گفتگو میں ہل گئی حربہ کی اسکو گھات | نیزہ بکیف بڑھا تھا کہ سبنھلا یہ نیکذات

مٹھی میں لی سنان وعناں اس وقار سے
جنگل لہو سے بھر گیا گردوں غبار سے

پھر تو اچھل اوچھلکے فلک پر گئی زمیں | چلائے جھوم جھوم کے یہ عونِ خوش یقیں
نامِ خدا سمیٔ محمدؐ صد آفریں | یکرنگیاں یہ ضرب کی ہیں حرب ہیں کہیں

پھل تم نے کاٹا نیزہ کا ہمنے سپر کے پھول
یہ چاندنی کے پھول ہیں وہ نیلوفر کے پھول

جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ دونو بہادر لشکرِ غنیم کو کاٹ کر رکھدیتے ہیں۔

زورِ بیاں

گرتا تھا غول غول پہ اوٹھتا تھا غل پہ غل | کٹتا تھا سر پہ سر کہ شگفتہ تھا گل پہ گل
ہوتا تھا پرے جزو پہ جزو اور کل پہ کل | کشتوں کے پشتے رن میں بندھے بلکہ پل پہ پل

جو پہلوان بڑھا ہوس کارزار میں
آٹھ اُس کے چار بند کئے ایک وار میں

طوفانِ آب تیغ سے حیراں ہوا عمر | مثلِ حباب سر بگریباں[2] ہوا عمر
ماہین فوج موج پریشاں ہوا عمر | آہستہ حرف زن سر میداں ہوا عمر

ہاں ڈھونڈو تو صفوں میں کوئی حیلہ ساز ہے
شرعاً بھی حیلہ جنگ و جدل میں جواز ہے

[1] عزیٰ و ہبل۔ بتوں کے نام جنکی عرب میں پرستش ہوتی تھی۔ سر بگریباں ہونا فکرمند ہونا ناک کے سنئے

نو خنجر فریب ہوا رن میں کارگر قاصد کی شکل بنکے بڑھا ایک حیلہ ور
بولا کہ اے دلیرو مبارک تمہیں ظفر عبداللہ آن پہنچے مدینے سے وقت پر
خادم نواح ماریہ تک اُنکے ساتھ تھا
گونا تھا زین پوش کا اور میرا ہاتھ تھا

پوچھا دلیروں نے کہ توقف کا کیا سبب بولا وہ حیلہ ساز کہ نانا کے ہیں تپ سبب
بھیجا ہے یہ عریضہ پئے خسرو عرب کی ہے کمک حسین کی سرکار سے طلب
چہرے سے رنگ اُڑ گئے ہوش و حواس انکے اڑ گئے
بابا کے اشتیاق میں یثرب کو مڑ گئے

مگر

مڑنا تھا بس کہ اہل دغا وقت پا گئے
نولاکھ عقربوں میں یہ دو چاند آ گئے
ظالموں نے دونوں بھائیوں کو شہید کر دیا

پہلے قیامت آئی حسینی سپاہ میں لشکر سے شور حشر گیا خیمہ گاہ میں
اکبر کو شہ نے دی یہ ندا اشک و آہ میں زینب تباہ ہوگئی بھائی کی چاہ میں
ماموں یہ دونو بھانجے قربان ہو گئے
پورے مری بہن کے سب ارمان ہو گئے

اتنے میں پردۂ درِ ماتم سرا اوٹھا آتے ہی لاشے محشرِ آہ و بکا اوٹھا
گیسو بکھیرے مجمع اہل عزا اوٹھا سجدے سے سر نہ زینب ناشاد کا اوٹھا
غش انکو جانماز بتول حسین یہ تھا
تسبیح ہاتھ میں سر سجدہ زمیں یہ تھا

شانہ ہلا کے فضہ نے زینب کو دی ندا لو سر اُٹھاؤ شکر کا سجدہ کرو ادا
پوچھا کنیز زادے ہوئے شاہ پر فدا اوسنے کہا ثواب عزا تم کو دے خدا
بچپن کی موت کا ہے پسینہ جبین پر
شانوں سے بہ رہا ہے لہو آستین پر

میر انیس

زینب نے سنی جب یہ خبر شاہِ امم سے مسلم کے پسر خوب لڑے فوج ستم سے
دل ہل گیا رنگ اڑ گیا افراطِ الم سے آنسو رخِ انور پہ بہے دیدۂ نم سے
کچھ منہ سے نہ کہتی تھی مگر تھا یہ اُسے دھیان
شہ پر مرے بیٹے ہوں اسی طرح سے قربان
ہیں آپ تو بیٹوں سے کرونگی نہ یہ تقریر ماموں کے عوض سینہ پہ کھاؤ تبر و تیر
خود جانتے ہیں مرتبۂ حضرت شبیر اس سوچ میں دیکھوں تو یہ کیا کرتے ہیں تدبیر
ماموں نے انہیں دل کی طرح گود میں پالا
پروان چڑھے نام خدا ہوش سنبھالا
مانع ہے جو پاسِ ادب سیدِ ابرار کیا قصد ہی مجھ سے تو کریں درد دل اظہار
حیراں ہوں آپس میں ہے کس بات پر تکرار مرنا نہیں منظور تو کیوں باندھی ہے تلوار
کھلتی ہیں نہ کمریں نہ رضا لیتے ہیں دونوں
ہر دم مرا منہ دیکھ کے رو دیتے ہیں دونوں

جذبۂ ایثار

میرے لئے روتے ہیں تو بیجا ہی یہ زاری ماموں پہ تصدق ہوں جو ماں ہے انہیں پیاری
مرجانے کی ہمت دے انہیں ایزد باری میں گرد پھروں اُن کی جو منگوائیں سواری
بیٹا ہو بھتیجا ہو غنی ہو کہ گدا ہو
مجھکو وہی پیارا ہے جو بھائی پہ فدا ہو

دل سے یہ بیاں کرتی تھی زینب جگرافگار اتنے میں پسر آکے گرے قدموں پہ اکبار
کی دست ادب جوڑ کے یہ عون نے گفتار ہے بھائی میں اور مجھ میں بڑی دیر سے تکرار
میں کہتا ہوں مرنیکو مجھے جانے دو پہلے
یہ کہتے ہیں تلواریں مجھے کھانے دو پہلے

یہ کہکے جو خاموش ہوا عون خوش اطوار صدمے سے نہ چھوٹے کو رہی طاقت گفتار
بس آنکھوں کو مل ملکے وہ رونے لگا یکبار کی عرض سُنا آپنے اے مادر غمخوار
ہمتو کسی مشکل کو بھی مشکل نہیں سمجھے
شاید ہمیں یہ جنگ کے قابل نہیں سمجھے

چھوٹے ہیں جواب اس کا بڑے بھائی کو کیا دیں اچھا ہمیں لاکھوں سے یہ لڑنیکی رضا دیں
پیچھے جو ہٹیں پاؤں تو جو چاہیں سزا دیں میداں سے خدا چاہے تو لشکر کو بھگا دیں
جانبازوں کے نزدیک نہیں ملک عدم دُور
نہ فوج ستم دُور نہ یہ دُور نہ ہم دُور

بیٹوں کے سخن سنکے یہ کہنے لگی زینب ہاں دیر کا باعث یہی تھا مجھ پہ کھلا اب
قربان گئی سمجھی میں تم دونوں کا مطلب ماموں پہ ستم ہو یہ گوارا ہے تمہیں کب

جس کام کے تم ہو یہ اسی کام کا دن ہے ... کسطرح سے سبقت نہ کرو نام کا دن ہے

حضرت زینب فرماتی ہیں کہ تم دونو ملکر لشکر شام کا مقابلہ کرو - ایک شمر پر حملہ کرے اور ایک عمر پر - پھر اسی سلسلہ میں کہا -

اک شیر سا تیروں کے نیستاں[1] میں در آئے ... اک برچھیوں والوں کے پرے خون میں بھر آئے
جس شامی پہ تلوار پڑے دو نظر آئے ... لڑتا ہوا اک جائے ادھر اک ادھر آئے
میدان میں جری نام پہ دیتے ہیں سر اپنا
ایک ایک الگ لڑ کے دکھا دو ہنر اپنا

حلقے میں اگر ایک کو لیں برچھیوں والے ... اک بھائی اُسے دوڑ کے نرغے سے نکالے
تم اس کے مددگار رہو وہ تم کو بچالے ... اک دم لے تو اک بڑھ کے لڑائی کو سنبھالے
نعرے کرو ایسے کہ دل کو دھل جائے
جل جائے وہ صف جدھر تیغ کا چل جائے

جھپکے نہ پلک سر پہ جو شمشیر اجل آئے ... چھاتی پہ لگے تیر تو ابرو پہ نہ بل آئے[2]
قاصر ہو نہ ہمت نہ شجاعت میں خلل آئے ... چھاتی نہ ہٹے سینہ پہ برچھی کا جو پھل آئے
لوگ ایسے ہی جانبازوں کو روتے ہیں جہاں میں
شیروں کے پسر شیر ہی ہوتے ہیں جہاں میں

دیکھوں تو پرا زیر و زبر کردیا کس نے ... دو حملوں میں اس جنگ کو سر کردیا کس نے
خون میں اعمر وسعد کو تر کردیا کس نے ... تلواروں میں سینے کو سپر کردیا کس نے

---

[1] تیروں کا نیستاں - تیروں کا جنگل - مراد کمانداروں کی صف
[2] ابرو پہ بل آنا - ماتھے پر تیوڑی چڑھانا -

حق کون بہت ماں کا ادا کرتا ہے دیکھوں
ایک ایک صفِ جنگ میں کیا کرتا ہے دیکھوں

پیاسے ہو بہت تمکو جو سمجھائیں ستمگر
پانی تمہیں زیں شمر سے مل جاؤ جو آکر
دیکھو یہ جواب ان کو کہ اے قوم بد اختر
اللہ نے بخشا ہے ہمیں چشمۂ کوثر
سر کٹ گئے تنوں سے قدم شہ پہ گرینگے
پانی کے لئے قبلۂ عالم سے پھرینگے

غصّہ سے میں کہتی ہوں خبردار خبردار
پانی جو پیا دودھ نہ میں بخشونگی زنہار
کیوں جاؤ ادھر کیا تمہیں دریا سے سروکار
وہ بولے کہ دریا کو جو دیکھیں تو گنہگار
دو روز کی جو تشنہ دہانی میں مزا ہے
نہ شہد میں لذّت ہے نہ پانی میں مزا ہے

دونوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر
خوش ہو کے یہ فرمانے لگی شاہ کی ہمشیر
میں خوب سمجھتی ہوں کہ ہو عاشقِ شبیر
اللہ نے بخشی ہے تمہیں عزّت و توقیر
تعریف کریں غیر تو خورسند نہ ہونا
اعدا سے کسی بات میں تم بند نہ ہونا

مجھ کو یہ تمنّا ہے کہ وہ کام ہو تم سے
میداں میں عاجز سپہ شام ہو تم سے
سرسبز زمانے میں مرا نام ہو تم سے
حیدر کی طرح رونقِ اسلام ہو تم سے

ے۱ چشمۂ کوثر ۔ بہشت کی نہر ے۲ بات میں بند ہونا ۔ کام کرتے ہوئے رکنا ۔
ے۳ نام سرسبز ہو ۔ نام مشہور ہو

دکھلائیو ہاتھوں سے صفائی کا تماشا　　میں پردے سے دیکھونگا لڑائی کا تماشا

اس وقت محبت مادری جوش کرتی ہے۔ فرمایا۔

چہروں کی بلائیں تو مجھے لینے دو واری　　پھر کاہیکو شکلیں نظر آئیں گی تمہاری
اسوقت تو بیٹوں پہ بھی رقت ہوئی طاری　　سر رکھدیا مادر کے قدم پر گئی واری

ماں شاد تھی پر غم کے بھی پہلو نکل آئے
چاہا کہ نہ روؤں مگر آنسو نکل آئے

کچھ سوچ کے اتنے میں اٹھی بنت ید اللہ　　بیٹوں کو چلی لیکے حضور شہ ذیجاہ
روتے ہوئے سب اہل حرم بھی ہوئے ہمراہ　　عباس سے اسوقت یہ فرمانے لگے شاہ

جھک جھک کے جو سمجھاتی ہوئی آتی ہیں زینب
کیا بیٹوں کو رخصت کے لئے لاتی ہیں زینب

حضرت زینب قریب پہنچ جاتی ہیں۔ تو امام عالی مقام فرماتے ہیں:

قسمت سے یہ دو نور نظر پائے ہیں تمنے
ہتھیار انہیں کس لیے بندھوائے ہیں تمنے

اس وقت

زینب نے یہ کی عرض کہ اے سید ابرار　　کل شام سے ان دونوں نے کھولی نہیں تلوار
فخر ان کا کہ تعریف کرے آپ سا سردار　　باپ انکا نمکخوار ہیں یہ بھی ہیں نمکخوار

نہ باپ کی ایسی ہے محنت نہ میری چاہ
کہنے میں فقط آپکے عاشق ہیں یہ واللہ

له رقت طاری ہونا۔ دل بھر آنا

آپ اُن کو سمجھتے ہیں بجائے علی اکبر
یہ دونوں ہیں خاکِ کفِ پائے علی اکبر
پیارا ہے مجھے کون سوائے علی اکبر
سو ایسے پسر ہوں تو فدائے علی اکبر

اللہ سلامت مرے اس لال کو رکھے
دنیا میں خدا آپ کے اقبال کو رکھے

ایثار

کچھ ان کے سوا اور بضاعت نہیں رکھتی
گوہر کوئی جز جوہرِ عزت نہیں رکھتی
دنیا میں کسی طرح کی حشمت نہیں رکھتی
محتاج ہوں نادار ہوں دولت نہیں رکھتی

جو کچھ ہے مرے پاس وہ قربان ہے بھائی
دو بیٹے ہیں اور ایک مری جان ہے بھائی

کچھ عذر کیا چاہتے تھے سیدِ ابرار
سر پاؤں پہ نہوڑا کے یہ بولی وہ دل افگار
قربان گئی اب تو نہایت ہوئی تکرار
محروم نہ رکھیے کہ سخی کی ہے یہ سرکار

بہنوں کی مصیبت میں مدد کرتے ہیں بھائی
نادار کا ہدیہ[1] نہیں رد کرتے ہیں بھائی

کس دن کے لئے ہیں یہ غلامانِ وفا کیش
میدان میں شجاعت یہ دکھائینگے کم و بیش
اب آپ نہ اس امر میں کچھ کیجئے کم و بیش
نالے سے نہ شرمندہ ہو یہ خواہرِ دلریش

آفاق میں عزت رہے محتاج غنی ہو
وہ بات نہ کیجئے کہ مری دل شکنی ہو

---

[1] ہدیہ رد کرنا۔ ہدیہ قبول نہ کرنا۔

حضرت امام حسین مجبور ہو کر اُس یاس سے فرماتے ہیں

اچھا یہ کریں کوچ کہ ہم بھی ہیں مُسافر زینب ترے بچوں کا خدا حافظ و ناصر
کچھ غم نہیں گو راہِ عدم خوف کی جا ہے
پیچھے جو رہے جاتے ہیں انکا بھی خدا ہے

اس کے بعد دونوں صاحبزادوں سے

حضرت نے کہا ہاتھوں کو پھیلا کے ادھر آؤ

دونوں بھائی دوڑے اور

شبیر نے سر دونوں کے چھاتی سے لگائے منہ پھیر کے اشک آنکھوں سے زینب نے بہائے

اس کے بعد

چپ چاپ برآمد ہوئے خیمے سے وہ مہ رو اُسوقت تو دل پر نہ رہا شاہ کا قابو
دیکھا انہیں جاتے ہوئے بہنے لگے آنسو چلاتی تھی پردیسے ادھر زینب خوشخو
دو روز کے پیاسو تمہیں اللہ کو سونپا
حیدر کے نواسو تمہیں اللہ کو سونپا

ماں صدقے بزرگوں کے چلن بھول نجانا سیکھے ہو جو کچھ جنگ کے فن بھول نہ جانا
آداب شہنشاہِ زمن بھول نہ جانا جو میں نے کہا ہے وہ سخن بھول نہ جانا
وہ کہتے تھے جرأت تو خدا داد ہے اماں
تشویش نہ کیجئے ہمیں سب یاد ہے اماں

یہ کہکے رکابوں میں قدم دونوں نے ڈالے گھوڑوں پہ ہوئے جلوہ نما گیسوؤں والے
تن تن کے جو کاندھے پہ رکھے بچوں نے بھالے ماں تکتی تھی ہاتھوں سے کلیجہ کو سنبھالے

سرعت، وہ سمندوں کی وہ چھل بل وہ طرارے
چھپتے تھے پہاڑوں میں ہرن شرم کے مارے

ادھر لشکرِ غنیم میں ان کی آمد سے

غل پڑ گیا شیر آتے ہیں کس سمت کو بھاگیں
جو بیٹھے ہیں اٹھیں جنہیں غفلت ہو وہ جاگیں

اور

ڈنکے پہ لگی چوٹ علم کھل گئے سارے
بڑھ بڑھ کے نقیبانِ جفاکار پکارے
اسپ و زر و جاگیر وہ لے جو انہیں مارے

سراپا

گھوڑوں کی وہ شوکت وہ سواروں کا تجمل
غل تھا یہ جری ہیں پسرِ صاحبِ دولت
قد ایک سے دو سرو ہیں رُخ ایک سے دو گل
پایا ہے عجب زلفِ مسلسل نے تسلسل
پیشانیاں روشن مہِ انور سے زیادہ
سجدوں کے نشاں نور میں اختر سے زیادہ

یہ سنتے ہی بس چھوٹی سی تیغوں کو اٹھا کر
ایک ایک سے دونوں نے کہا آنکھ ملا کر[1]
لو ہم تو چلے آتے ہیں گھوڑوں کو بڑھا کر
روکے تو کوئی وار بھلا سامنے آکر
کھینچی ہے جہاں تیغ وہاں کھیت پڑے ہیں
چھوٹے ہیں جو اس گھر کے وہ تم سب سے بڑے ہیں

---

[1] آنکھ ملانا۔ نظر ملانا دیکھنا۔ کھیت پڑنا۔ سپاہیوں کا مارے جانا۔

رجز خوانی

ہم سا بھی کوئی اور ہے دنیا میں جوانمرد — ہم وہ ہیں کہ رستم کی شجاعت ہے جہاں گرد[1]
گرماتے ہیں[2] گھوڑوں کو جو اپنے دم ناورد — ہو جاتا ہے بازار شجاعانِ جہاں سرد
تلوار جنہیں حق نے عطا کی ہے وہ ہم ہیں
جن غازیوں نے دین کی بنا[3] کی ہے وہ ہم ہیں

خوشنود رہا ایزد باری اسی گھر سے — سب سیکھ گئے شکر گزاری اسی گھر سے
کفار ہمیشہ رہے عاری اسی گھر سے — احکام ہوئے شرع کے جاری اسی گھر سے
تقسیم ہوئی دولت دیں گھر سے ہمارے
شاہوں کو ملا تاج نگیں گھر سے ہمارے

تیغوں کو جو کھینچیں تو صفیں دم میں الٹ جائیں[4] — آگے جو بڑھیں ہم تو پرے فوج کی ہٹ جائیں
سر تن سے سواروں کے ہر اک ضرب میں کٹ جائیں — للکاریں تو شیروں کے کلیجے[5] ابھی پھٹ جائیں

باہمی گفتگو

چھوٹے نے بڑے سے یہ کہی بات کہ بھائی — ہر چند گوارا نہیں دم بھر کی جدائی
اس وقت الگ ہو کہ نہایت ہے لڑائی — اماں نہ کہیں یہ کہ مری بات بھلائی
جو سامنے ہے کاٹ کے اس فوج کی صف کو
میں داہنی طرف جاتا ہوں تم بائیں طرف کو

۱؎ گرد ہونا۔ بے حقیقت ہونا ۲؎ گھوڑوں کو گرمانا۔ گھوڑوں کو تیز کرنا
۳؎ بنا کی۔ بنیاد رکھی ہے۔ ۴؎ صفیں الٹنا۔ صفوں کو درہم برہم کرنا۔
۵؎ کلیجے پھٹنا۔ ڈر سے سہم جانا۔ زہ آب ہونا۔

بڑے بھائی نے کہا ؎

اے جانِ برادر میں ترے عزم کے قربان
لاکھوں سے لڑائی ہے رہے چار طرف دھیان

اس کے بعد لکھتے ہیں

یہ کہکے کئے دونوں طرف شیروں نے حملے
لہراتے تھے کاکل کیطرح دوش پہ شملے
کیا دخل تھا حلقے[۱] میں انہیں فوج ستم لے
ملتی نہ کبھی مہلت کہ ٹھہر کے کوئی دم لے
بجلی کی طرح نیچہ چل جاتے تھے دونوں
ہر صف کو قلم کر کے نکل جاتے تھے دونوں

آیا جو سوئے عون کوئی تیغ اٹھا کر
دو کر دیا پہنچے کو بس اک ہاتھ میں جا کر
خم ہو گیا مردود سپہ چہرے پر لا کر
پھر خطِ شکست[۲] اس پہ لکھا تیغ نے آکر
قرطاس سا پرزے تنِ سفاک ہوا تھا
جو سینے تلک مثلِ قلم چاک ہوا تھا

آیا جو محمد کی طرف کوئی ستمگار
تلوار کو چمکا کے پکارے کہ خبردار
اتنے میں اُدھر سے تو ستمگر نے کیا وار
بجلی سی ادھر سے بھی چلی شیر کی تلوار
تیزاب کا اس شعلۂ آتش[۳] میں اثر تھا
آنکھ اس کی جھپک کر جو کھلی خاک پہ سر تھا

۱؎ حلقے میں لینا۔ چاروں طرف سے گھیر لینا۔ ۲؎ خطِ شکست لکھا ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ۳؎ شعلۂ آتش سے مراد تلوار کی آنچ ہے۔

وہ لڑکے جو نکلا تو یہ لشکر میں در آیا لاکھوں تھے مگر ایک نہ جرأت میں بر آیا
مارا اُسے اُسنے جو اُدھر سے ادھر آیا بھاگا جو ادھر سے تو اُدھر وہ نظر آیا
اُن تیغوں سے سب فوج نے منہ پھیر لیا تھا
دو لاکھ کو دو بجلیوں نے گھیر لیا تھا

چُن چُن کے نمودار ستمگاروں کو مارا لشکر کے علم کاٹ کے سالاروں کو مارا
پیدل جو گریزاں ہوئے اسواروں کو مارا تیروں کو قلم کر کے کمانداروں کو مارا
عقدہ جو پڑا ناخنِ تدبیر سے کھولا
نیزے کے ہر اک بند کو شمشیر سے کھولا

غل میں جو نہ بھائی کی صدا بھائی کو آئی دونوں کے کلیجے پہ چلی تیغ جدائی
چھوٹے نے بڑے بھائی کو آواز سنائی کیا حال ہے جیتے ہو کہ مارے گئے بھائی
بڑھ بڑھ کے ہٹاتے ہیں بہت اہلِ ستم کو
تصویر تمہاری نظر آئی نہیں ہم کو

بس اتنے میں مہلت ستم ایجادوں نے پائی نیزے کی انی پشتِ محمدؑ پہ لگائی
جسوقت سناں سینے سے باہر نکل آئی چلایا کہ لو ہم تو چلے خلق سے بھائی[1]
اللہ کس آفت میں مجھے چھوڑ دیا ہے
نیزے نے کلیجے کو مرے توڑ دیا ہے

---

[1] خلق سے چلے - دنیا سے چلے -

لڑنے میں سنی بھائی نے جو بھائی کی آواز
نزدیک تھا یہ رُوح کرے جسم سے پرواز
گھوڑے کو اٹھا کر وہ چلا صورت شہباز
برسانے لگے تیر ہزاروں قدر انداز

حائل تھیں صفیں زور سے تلوار کے نکلا
روکا اسے جس نے وہ اُسے مار کے نکلا

بھائی کے تجسس میں نہ تھا بھائی کو کچھ ہوش
الفت کا بھی تھا جوش شجاعت کا بھی تھا جوش
چلاتا تھا اے غنچہ دہن سبز قبا پوش
آواز سنا کر ہمیں کیوں ہو گئے خاموش

قربان برادر مجھے بتلاؤ کہاں ہو
کس غول میں کس فوج میں کس صف میں نہاں ہو

اتنے میں حضرت عون نے

ریتی میں تڑپتی ہوئی اک لاش کو دیکھا
آلودہ لہو میں تن صد پاش کو دیکھا

مجروح بھائی حالت نزع میں خونخوار جلادوں سے کہہ رہا تھا کہ

میں بھائی سے مل لوں تو پھیری حلق پہ شمشیر

جس وقت سنی عون نے بھائی کی یہ تقریر
خنجر تو لگا دل پہ کلیجے پہ لگا تیر
گھوڑے سے تلے کو دپڑا پھینک دی شمشیر
آغوش میں لی دوڑ کے وہ چاند سی تصویر

اور فرمایا :-

ے رُوح کا جسم سے پرواز کرنا :- مر جانا

منہ سے نکل آئی ہے زباں پیاس کے مارے ‏ اعضا تو ہوئے جاتے ہیں کچھ سرد تمہارے
کیا بھائی لبِ لعل کو کھولا نہیں جاتا
کرتا تھا اشارہ وہ کہ بولا نہیں جاتا

اس کے بعد

پڑنے لگی معصوموں پہ تلوار پہ تلوار ‏ کٹ کٹ کے وہ چھوٹے سے عمامے ہوئے گلنار
جب چھاتیوں سی ہوتی تھی نیزہ کی انی پار ‏ تن تن کے وہ کہتے تھے کہ یا حیدر کرار
ملتے تھے گلے پیار سے منہ چوم رہے تھے
لپٹے ہوئے شیروں کی طرح جھوم رہے تھے

تلوار لگانے لگا جو ایک ستمگر ‏ چھوٹے نے رکھا ہاتھ بڑے بھائی کے سر پر
ہیہات کہ ہاتھ اُسکے گرے خاک پہ کٹ کر ‏ دو ٹکڑے ہوا ماہ جبیں عون کا بھی سر
غل طبل ظفر کا صفِ دشمن میں ہوا جب
پردے سے لگی رن کیطرف دیکھنے زینب

بس اتنے میں فضہ نے یہ کی آن کے تقریر ‏ لو دونوں کی لاشیں تو لئے آتے ہیں شبیر
گھر لٹ گیا ہے ہے مرے شہزادوں کی تقدیر ‏ نزدیک تھا غش کھا کے گری زینبِ دلگیر
یہ بھی نہ کہا آئے پسر فوج سے لڑ کر
چپ رہ گئی ہاتھوں سے کلیجے کو پکڑ کر

حضرت زینب کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ ؎

انکی بھی وہ عزت ہے جو زہرا کی ہے توقیر ‏ ساری وہی سیرت وہی صورت وہی تقریر

صبر و استقلال کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں۔

فاقوں میں شکایت نہ کبھی لب تلک آئی
سو شکر کئے نانِ جویں ایک جو کھائی

استغنا اور دریادلی کا یہ عالم تھا۔ کہ ؎

جو پاس ہوا صرف کیا راہِ خدا میں
زہرا کی طرح ہوتے تھے پیوند ردا میں

اِس کے بعد لکھتے ہیں کہ جب حضرت زہرا فاطمہ کے انتقال کا وقت قریب ہوا۔ تو آپ نے اس وقت امام حسین کا ہاتھ حضرت زینب کے ہاتھ میں دیکر فرمایا۔ میں اس دولت کو تیرے سپرد کئے دیتی ہوں۔ یہ محبوبِ الٰہی کی امانت ہے۔ اس سے خبردار رہنا۔ پھر امام حسین کے بچپنے کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ ساتھ ہی مادری محبت اور اپنی تکلیفوں کا خیال کا آگیا۔ فرمانے لگیں کہ میں جیتے جی ؎

سمجھی اسے آنکھوں کی ضیا گھر کا اُجالا
حجرے سے کبھی گرم ہوا میں نہ نکالا

اسی سلسلے میں ارشاد کیا۔

یہ خیر سے جس سال لگے گھٹنوں[1] چلنے　　میں چھوٹے سے تلوؤں[2] سے لگی آنکھوں کو ملنے
جب نامِ خدا[3] یہ لگے اٹھ اٹھ کے سنبھلنے　　دی طاقتِ رفتار بھی خلاقِ ازل نے

[1] گھٹنوں چلنا۔ گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل چلنا [2] تلووں سے آنکھیں ملنا۔ محبت و پیار سے رکھنا۔ سایہ کی طرح پیچھے پھرنا۔ ہر وقت ساتھ رہنا [3] نام خدا۔ خدا کی مہربانی سے

ہر گام پہ سایہ کی طرح پیچھے پھری ہوں
ٹھوکر کبھی جو کھائی ہے تو میں ساتھ گری ہوں

شانے سے کبھی ٹوٹتا تھا زلف کا گر بال
کرتی تھی پریشانی خاطر مجھے بیحال
اک دن خطِ ہیکل سی جو گردن ہوئی تھی لال
رُخ زرد تھا تر ہو گیا اشکوں سے تھا رومال

کرتے کا گریباں جو ذرا تنگ ہوا تھا
دم گھٹ کے مرا یاد ہے کیا رنگ ہوا تھا

پھر یہ وصیّت کی تھی۔ کہ

ہر رنج میں اس بھائی کے کام آئیو زینب
جائے یہ جدھر ساتھ چلی جائیو زینب

اس کے بعد کہتے ہیں:۔

زہرا[1] نے جو ارشاد کیا تھا دمِ رحلت
بھولی نہ کسیوقت وہ مادر کی وصیّت
دن رات یہانتک رہی سرگرم اطاعت
شاہ شہدا بھول گئے ماں کی محبّت

شفقت سے نظر کرتے تھے ہر آن بہن پر
وہ اپنے تصدق تھی یہ قربان بہن پر

مشہور ہے شبیر[2] برادر وہ خوش اوقات
بے مرضی شبیر نہ کرتی تھی کوئی بات
فرزندوں پہ طفلی سے تقید تھی وہ دن رات
ماموں کی غلامی میں ہو جوڑے ہوئے ہات

تسلیم کو جھکنا ہے عبادت کے برابر
آقا[3] کی اطاعت بھی ہے طاعت کے برابر

[1] زہرا۔ حضرت فاطمۃ الزہرا [2] شبیر۔ حضرت امام حسین [3] آقا سے مراد حضرت امام حسین ہیں

آقا ہے حقیقت میں خداوندِ مجازی — پڑتا ہے بُرا وقت تو سر دیتے ہیں غازی
کر سکتے ہیں کیا دشمنِ سلطانِ حجازی — جو مرد ہے شیروں سے وہ لیجاتے ہیں بازی
کس جنگ میں تلوار چمکتی نہیں اُن کی
لاکھوں سے کبھی آنکھ جھپکتی نہیں اُن کی

نامرد بُرے وقت میں ملجاتے ہیں پہلے — ہتھیار دلیروں ہی سے چل جاتے ہیں پہلے
لڑنے کو پرے سے وہ نکلجاتے ہیں پہلے — آنچ آتی ہے آقا پہ تو جلجاتے ہیں پہلے
سینوں کو سپر کرتے ہیں تلوار کے آگے
پیچھے تو وہ ہوتا ہے یہ سردار کے آگے

نقشہ میدان جنگ

بجلی کی چمک گرد تھی تیغوں کی چمک سے — چنگاریاں اُڑتی تھیں سنانوں کی لچک سے
کڑکا ہوا میدان میں کمانوں کی کڑک سے — تیر آتے تھے جوں تیرِ شہاب آئے فلک سے

امام عالی مقام لشکرِ اہلِ شام میں گھرے ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے آپ کے رفقا فوجِ غنیم سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اور دادِ مردانگی دے کر شہید ہو جاتے ہیں۔ ان وفاداروں کے متعلق کہتے ہیں۔ کہ

حملے کئے شیروں کی طرح برچھیاں کھاکر
گر گر پڑے گھوڑوں سے ہزاروں کو گراکر

۱ بُرا وقت پڑنا - مصیبت پڑنا۔ آنکھ جھپکنا۔ ڈر کے مارے سہم جانا
۲ آنچ آتی ہے مصیبت پڑتی ہے۔ سینہ سپر کرنا۔ مقابلے کے لئے سینہ آگے کرنا۔

اس کے بعد

مارے گئے مولا کے جو انصار و موالی　　تب حضرت مسلم کے یتیموں نے رضا لی
جس دم وہ چلے رونے لگے سرور عالی　　اک حملے میں دونوں نے پرے کر دئے خالی
تھا غلغلۂ دار و بگیر اہل ستم میں
برپا تھا تلاطم حرم شاہ امم میں

بیتابی سے تھا حضرت زینب کا عجب حال　　تسبیح تو تھی ہاتھ میں اور بکھرے ہوئے بال
رعشہ تھا تن زار میں خورشید کی تمثال　　حق سے یہ دعا تھی کہ بچے فاطمہ کا لال
لب خشک تھے رخ زرد پسینہ تھا جبیں پر
چادر سر اطہر کی لٹکتی تھی زمیں پر

پھرتی تھی کبھی صحن میں کرتی ہوئی نالے　　در پر کبھی جاتی تھی کلیجے کو سنبھالے
تلواریں چمکتی تھیں نظر آتے تھے بھالے　　کہتی تھی کہ یارب میرے بھائی کو بچا لے
زینب پہ ستم ہو شہ دلگیر کے بدلے
فرزندوں کو دیتی ہوں میں شبیر کے بدلے

اتنے میں خبر آکے جو فضہ نے سنائی　　لو ہوتی ہے مسلم کی یتیموں سی جدائی
یہ سنتے ہی زردی سی رخ پاک پہ چھائی　　فرمایا نصیحت مرے بیٹوں نے بھلائی
میں سمجھی تھی اعدا سے وغا کرتے ہیں دونوں
کس کھیل میں مصروف ہیں کیا کرتے ہیں دونوں

---

۱ شاہ امم۔ مولا اور سرور عالی حضرت امام حسین مراد ہیں۔ "پرے خالی کردئے" فوج کا صفایا کر دیا۔ ۲ "رخ پہ زردی چھا جانا" رخ زرد ہونا۔

وہ کیا تھا جو دونوں یہ کیا کرتے تھے تقریر
ہو جائینگے ہم پہلے نثار سر شبیر
اب کیا ہے جو مر جانے میں کرتے ہیں وہ تاخیر
شرمندہ ہوئی بھائی سے ہے ہے مری تقدیر[1]

وہ جانے نہ دیتے تھے اگر فوج ستم پر
کیوں گر نہ پڑے دوڑ کے ماموں کی قدم پر

اچھا کیا جو کچھ کیا مرنے کو نہ جائیں
پر کوئی یہ کہہ آئے کہ اب گھر میں نہ آئیں
کیا کام ہے مجھ سے مجھے صورت نہ دکھائیں
مادر کی ملاقات سے بس ہاتھ اٹھائیں[2]

پھر جائیں وطن چھوڑ کے مجھ خستہ جگر کو
ماں مر گئی آباد کریں باپ کے گھر کو

یہ کہتی تھی جو شور ہوا فوج میں اک بار
ٹکڑے ہوئے تلواروں سے مسلم کی بھی دلدار
پھر جا کے خبر لائی یہ فضہ جگر افگار
روتے ہیں بھتیجوں کے لئے سید ابرار

سب چھوٹے بڑے فوج کے نرغے میں گھرے ہیں
رخصت کیلئے ماموں کے قدموں پہ گرے ہیں

اس کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ

یہ سنتے ہی بشاش ہوئی زینب ذی جاہ

اور فرمانے لگیں۔

امید بر آئی میری المنة للہ

پھر فضہ کی معرفت دونوں صاحبزادوں کو خیمہ میں طلب کیا۔ اسکے بعد

---

[1] ہے ہے میری تقدیر۔ میری تقدیر بہت بُری ہے۔

[2] ہاتھ اٹھانا۔ مایوس ہونا۔

فضہ نے بلایا تو وہ میدان سے آئے　　دیکھا انہیں ماں نے کہ سر انکو ہیں جھکائے
چھاتی سے لگانے کیلئے ہاتھ بڑھائے　　وہ جوڑ کے ہاتھوں کو سخن لب پہ یہ لائے

ہم دیر سے رخصت کے طلبگار تھے اماں
تقصیر ہماری نہیں لاچار تھے اماں

فرزندوں کی اس عجز پہ رقت کا ہوا جوش　　چھاتی اُمنڈ آتی تھی مگر رہ گئی خاموش
لپٹا لیا چھاتی سے اُنہیں کھو لکے آغوش　　فرمایا میں آزردہ نہیں کھوتے ہو کیوں ہوش

مرنے کو چلے جان نہ کی ماموں سے پیاری
آؤ مجھے قربان تو ہونے دو میں واری

جھک جھک کے بجالائے غضب آخری آداب　　اسوقت تو زینب کی بھی آنکھیں ہوئیں پرآب
دروازے تلک ساتھ گئی مضطر و بیتاب　　گھوڑوں پہ چڑھے دونوں سجے جنگ کے اسباب

چلائی یہ مادر کہ خدا حافظ و ناصر
بولے وہ دلاور کہ خدا حافظ و ناصر

میدان جنگ میں بچوں کی آمد

جنگاہ میں گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے آئے　　نیزوں کو دلیرانہ ہلاتے ہوئے آئے

لرزا تھا شجاعوں کو دلیروں کی نظر سے
تکتے تھے صفِ فوج کو شیروں کی نظر سے

اسی سلسلہ میں کہتے ہیں۔

---

۱ رقت کا جوش ہوا۔ دل بھر آیا۔ ہوش کھونا۔ پریشاں ہونا۔
۲ آنکھیں پرآب ہونا۔ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہونا۔

دو شیر چلے جاتے تھے اس فوج کو رولے[1] کیا منہ تھا جو دم مارے کوئی یا کوئی بولے
سب پیچھے ہٹے جاتے تھے تلواروں کو تولے سدھ تھی یہ کسیکو جو سپر پشت سے کھولے
غالب ہوا رعب ان کا ہر اک تیغ بکف پر
جس صف پہ گری یہ وہ گری دوسری صف پر

دونوں بھائی لشکر شام سے کہتے ہیں ؎

لڑنا ہو جسے سامنے آجائے ہمارے

مگر یاد رہے۔ کہ ہمارا مقابلہ آسان نہیں۔ ؎

ہے قہر خدائے دو جہاں حرب ہماری
رکتی نہیں دشمن سے کبھی ضرب ہماری

اسی سلسلہ میں یہ بیت بھی خوب ہے۔

عاجز نہیں گو ہے تعب تشنہ دہانی
للکاریں تو ہو جائے جگر شیر کا پانی

پھر کہتے ہیں:۔

خیبر سا جو دروازہ ہو کوئی تو اکھاڑیں مرحب[2] سا جواں سامنے آئے تو پچھاڑیں
جوں نقش فنا ہستی اعدا کو بگاڑیں در آئیں اگر کوہ میں ان نیزوں کو گاڑیں
کچھ دھیان میں لاتے نہیں لشکر کو کسی کے
ہم اور نہیں کوئی نواسے ہیں علی کے

---

[1] رولے۔ پامال کرتے ہوے۔ کیا منہ تھا۔ کیا مجال تھی۔ سدھ۔ ہوش
[2] مرحب۔ ایک پہلوان کا نام ہے۔ جسے حضرت علی نے قتل کیا تھا۔

بچوں نے دلیرانہ حملے

پڑھ کر یہ رجز دونوں نے جولان کئے گھوڑے[1] چلنے ہیں ادھر تیر کمانداروں نے جوڑے
غل تھا کہ خبردار کوئی منہ کو نہ موڑے یہ دونوں بہادر ہیں تو ہم بھی نہیں تھوڑے
یا مار کے تلواریں گرا دیتے ہیں ان کو
یا نیزوں کی نوکوں پہ اٹھا لیتے ہیں ان کو

یہ سنکے صفیں بڑھنے لگیں دشت قضا سے لہرائے نشانوں کے پھریرے بھی ہوا سے
دل ہل گئے نقارۂ رزمی کی صدا سے لشکر میں در آئے شہ مرداں کے نواسے
نعروں کا دلیروں کی گیا شور فلک پر
تیغوں کی چمک پھیلی تھی بجلی کی چمک پر

اسوار چلے جاتے تھے نیزوں کو سنبھالے تھا شور کہ رکھ دیتے ہیں ان سینوں پہ بھالے
ہٹ ہٹ کے بڑھاتے تھے قدم برچھیوں والے پر رک نہ سکتے تھے شاہ کی آغوش کے پالے
دو دن کے تھے پیاسے پہ غضب لڑتے تھے دونوں[2]
جو ٹوکتا تھا شیر سے جا پڑتے تھے دونوں

وہ چھوٹی سی تیغیں تھیں کہ تھا قہر الٰہی آفت تھی پیادوں پہ سواروں پہ تباہی
بھاگے چلے جاتے تھے نمودار سپاہی پر زرے تھی زرہ پوشوں کی تن صورت ماہی
کٹ کر تن کفار سے سر دور ہوئے تھے
چار آئینے شیشوں کی طرح چور ہوئے تھے

---

[1] جولان کئے۔ تیز کئے۔ [2] یعنی اس بہادری سے لڑتے تھے۔ کہ دیکھکر حیرت ہوتی تھی۔

بھاگڑ تھی سواروں میں پسی جاتے تھے پیدل
تلواروں سے پھٹ پھٹ گیا تھا ڈھالوں کا بادل[1]
جس غول پہ وہ شیر چلے پڑ گئی ہل چل[2]
دونی تھی ہر اک حملے میں ہواروں کی چھل بل

بجلی کی تڑپ فوج میں دکھلاتے تھے دونو
ہر غول پہ پرکار سے پھر جاتے تھے دونو

تلواروں سے پرزے تھیں سیہ کاروں کی ڈھالیں
سکتے تھے کہ خود سنبھلیں کہ ہتھیار سنبھالیں
ناگن کی طرح ہیں ان تیروں کی پھالیں
فرصت نہیں ترکش سے جو تیروں کو نکالیں

بھاگیں تو کسی گوشہ میں جانا نہیں ملتا
سوفاروں سے چلّوں کو ملانا نہیں ملتا

ہاتھوں سے شجاعوں کے گرے پڑتے تھے ہتھیار
دہنے میں تو لیتے تھے سپر بائیں میں تلوار
لشکر میں جو تھے شہرۂ آفاق کماندار
خود بنتے تھے تیروں کا نشانہ وہ خطاکار

رعشہ تھا سراپا کو تو لغزش تھی نظر کو
پیکاں تو ادھر رکھتے تھے سوفار ادھر کو

دم لیتا تھا جب ایک ہزاروں کو بھگا کر
تب دوسرا گرتا تھا کمانداروں پہ جا کر
پھر آتا تھا جب وہ انہیں دریا سے ہٹا کر
جاتا تھا پیادوں پہ یہ گھوڑے کو اڑا کر

---

[1] بھاگڑ ہونا۔ سپاہیوں کا شکست کھا کر بھاگنا [2] ڈھالوں کو بادل سے تشبیہ دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ڈھالیں تلواروں کی متواتر ضربوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھیں
[3] ہل چل پڑنا۔ بھاگڑ پڑنا

اسواروں سے ہمت کی عناں چھوٹ گئی تھی
کیا لڑتے کہ لشکر کی کمر[1] ٹوٹ گئی تھی

عباس صدا دیتے تھے ہاں ای میرے شیرو — قابو سے نکلجانے نہ دو پھر انہیں گھیرو
لڑتے ہو عجب شان سے شاباش دلیرو — سر کردو[2] لڑائی تو ادھر گھوڑوں کو پھیرو

اس جنگ کی خیمے میں بڑی دھوم پڑی ہے
ماں ڈیوڑھی پہ چھاتی سے لگا نیکو کھڑی ہے

یہ ذکر تھا جو شور اٹھا دشت وغا سے — لو قتل ہوئے شیر الٰہی[3] کے نواسے
کیا چھاتیوں پر برچھیاں ماری ہیں دغا سے — وہ لوٹتے ہیں خاک پہ دو روز کے پیاسے

دیکھے انہیں کہہ دے کوئی حضرت کی بہن سے
چھوٹی سی زبانیں نکل آئی ہیں دہن سے

اس کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ

یہ سنتے ہی عباس کو شبیر پکارے
دوڑو کہ میرے بھانجے دنیا سے سدھارے

اب یہ حالت ہے۔ کہ

الطاف و کرم دونوں پہ فرماتے ہیں شبیر
لاشوں کے اٹھانے کے لئے جاتے ہیں شبیر

فضہ گئی اور پیٹتی میداں سے آئی — رو کر یہ خبر زینب بیکس کو سنائی
حیدر کے نواسوں نے تو جان اپنی گنوائی — اب ہوتی ہے لاشوں کے اٹھانے پہ لڑائی

۱؎ کمر ٹوٹنا۔ ہمت زائل ہونا ۲؎ لڑائی سر ہونا۔ لڑائی فتح کرنا ۳؎ یعنی حضرت علی کے نواسے عون و محمد

باندھیں ہیں صفیں شاہ کو آنے نہیں دیتے
معصوموں کے مردے بھی اٹھانے نہیں دیتے

حالت جوش و غضب

شبیر بھی کھینچے ہوئے تلوار کھڑے ہیں ۔ بپھرے ہوئے عباس علمدار کھڑے ہیں
ہمشکل نبی لڑنے کو تیار کھڑے ہیں ۔ قاسم بھی سنبھالے ہوئے رہوار کھڑے ہیں

یہ کہتے ہیں جس طرح سے دوگے ابھی لینگے
وہ کہتے ہیں سر دینگے پہ لاشوں کو نہ دینگے

یہ خبر وحشت اثر کو سنتے ہی خیمہ اہل بیت میں کھرام مچ جاتا ہے لکھتے ہیں

یہ سنتے ہی خیمے میں تلاطم ہوا اک بار
در پہ گئی تھراتی ہوئی زینبِ ناچار

اور چلا کر کہا

میں بیٹوں کے دیدار کی طالب نہیں زنہار ۔ صدقے کروں حضرت پہ جو سو ایسے ہوں دلدار
تم چار جواں اور ادھر لاکھ ستمگار ۔ ہمشکل پیمبر سے کہو کھینچیں نہ تلوار

تم کو علی اکبر کی قسم خیمے میں آؤ
لاشے جو اٹھانے نہیں دیتے نہ اُٹھاؤ

سرورِ عالم لاشوں کو لئے داخل ہوتے ہیں۔ سب بیبیاں رونے لگتی ہیں۔ مگر حضرت زینب

کہتی تھی سمجھتی نہیں کیسی ہے یہ فریاد ۔ تم سب کو ہے کس بات کا غم میں تو ہوئی شاد
اکبر جئے اصغر جئے جیتا رہے سجاد ۔ گھر میں نہوئی تو نہ ہوئی اک مری اولاد

حیران تھی کچھ منہ سے نہ کہہ سکتی تھی زینب
سب روتے تھے ایک ایک کا منہ تکتی تھی زینب

حضرت عون و محمد کی آمد

حضرت عون و محمد میدانِ کارزار میں آتے ہیں۔ لشکرِ اعدا میں غل پڑ جاتا ہے
اور ایک دوسرے سے کہتا ہے۔

آمادگی جنگ

وقتِ غفلت نہیں اے غازیو ہشیار رہو　　کھینچ لو تیغ کو خونریزی پہ طیار رہو
آمد آمد ہے دلیروں کی خبردار رہو　　صف[1] جمائے ہوئے آمادۂ پیکار رہو

آج خلعت ہمیں لینا ہے سرافرازی کا
ہاں جوانو یہی ہنگام ہے جانبازی کا

ہاں علمدارو نشانوں کے پھریرے کھولو　　ہاں کماندارو سواروں کے تم آگے ہولو
برچھیاں ہاتھوں میں اے برچھیو والو تولو　　سرکرو[2] جنگ تو سردار سے جو چاہو لو

غلغلہ روم تک اس لشکرِ جرار کا ہے
امتحاں آج دلیرانِ نمودار کا ہے

ذکر یہ تھا کہ اُٹھا دُور سے کچھ گرد و غبار　　چاند سے عون و محمد نظر آئے اک بار
پڑ گیا غل کہ وہ آ پہنچے علی کے دلدار　　کبھی اس حسن کے انساں نہیں دیکھے زنہار

---

[1] صف جمانا۔ صف آراستہ کرنا۔ صف میں کھڑے ہونا [2] جنگ سر کرنا۔ جنگ فتح کرنا۔

کیا اڑاتے ہوئے رہوار چلے آتے ہیں
جعفر و حیدرِ کرار چلے آتے ہیں

واہ رے شوکت و اقبال زہے حشمت و جاہ
کیا صفا چہرۂ دونوں کے ہے سبحان اللہ
ایک ہے غیرت خورشید تو اک غیرت ماہ
دیکھا جاتا نہیں چہرونکی طرف بھر کے نگاہ[1]

آئینے سے کہیں شفاف یہ رخسارے ہیں
صفحۂ نور ہیں خورشید ہیں مہ پارے ہیں

تشبیہات

وہ ضیا چہروں کی انکے وہ گلوں سے رخسار
نور کو جنکے نہ پہنچے یدِ بیضا[2] زنہار
دونوں کس شان سے شانوں پہ رکھے ہیں تلوار
دیکھنے جاتے ہیں رخ پھیر کے شانے ہر بار

کیجئے دونوں کی پیشانی و ابرو پہ خیال
صاف دو بدر نظر آتے ہیں اور چار ہلال

دونوں کے حسن کی اک سمت کو تھی مدح و ثنا
اک طرف غل تھا کہ ہتھیار و نکو دیکھو تو ذرا
واہ واہ صل علیٰ صل علیٰ صل علیٰ
کس قدر اُن پہ سلاح حربی ہے زیبا

جلوہ گر قطرے عرق کے ہیں یہ پیشانیو پر
لوحِ الماس پہ یا نصب کیئے ہیں گوہر

دعوتِ جنگ

اتنے میں گھوڑے بڑھا کر یہ پکارے وہ دلیر
ظالمو کرتے ہو کس واسطے اب جنگ میں دیر

---

[1] نگاہ بھر کے دیکھنا - اچھی طرح سیر ہو کر دیکھنا [2] یدبیضا حضرت موسیٰ کا چمکدار ہاتھ جس کی روشنی کفار کی آنکھیں خیرہ کر دیتی تھی۔

جس کو دعویٰ ہو۔ وہ اب میاں سے کھینچے شمشیر گو ہزاروں ہوں یہ ڈرتے نہیں روباہوں سے شیر
امن نہ اب سر کے لئے ہے نہ اماں تن کیلئے
نیمچے قہر خدا ہیں صفِ دشمن کے لئے

رجز خوانی

نقشۂ ہستیِ دشمن کو مٹا دیتے ہیں[1] شررِ تیغ سے ناری کو جلا دیتے ہیں
کوہ کو پاؤں کی ٹھوکر سے ہٹا دیتے ہیں ایک للکار میں ضیغم کو بھگا دیتے ہیں
کوئی ہم شیروں کی تلوار پکڑ سکتا ہے[2]
دو بدو ہم سے جہاں میں کوئی لڑ سکتا ہے

معرکہ آرائی

فوج سے عون و محمد نے یہ کی جب گفتار قتل پر پیاسوں کے آمادہ ہوئے ظلم شعار
گھوڑے چمکا کے ہلانے لگے نیزوں کو سوار قدر اندازوں نے چلّوں سے ملائے سوفار
تیغیں کمروں سے نکلنے لگیں قتالوں کی
دور تک چھا گئی میدان میں گھٹا ڈھالوں کی[3]
رعد کی طرح سے گرجا دہلِ جنگ و جدل صورتِ برق چمکنے لگے تلواروں کے پھل
نکلے ہر صف سے جوانانِ قوی الہیکل شام کی فوج کا دو پیاسوں پہ امڈا بادل
پہنچی ڈیوڑھی پہ جو زینب تو یہ نقشہ دیکھا
دونوں معصوموں پہ اشرار کا نرغہ دیکھا

۱؎ ہستی کا نقشہ مٹانا۔ مراد مٹا دینا۔ فنا کر دینا۔ مار ڈالنا۔ ۲؎ ہماری تلوار کون پکڑ سکتا ہے یعنی ہمارا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ ۳؎ بادل امڈ آنا۔ بادل چھا جانا۔ یہاں ڈھالوں کو بادل سے تشبیہ دی ہے۔

حال یہ[1] دیکھ کے زینب کا ہوا حال تباہ رنگ[2] فق ہوگیا دل پر ہوا صدمہ جانکاہ
پھر دعا حق سے یہ کرنے لگی با نالہ و آہ رکھیو عزت مرے فرزندوں کی یا بار الٰہ

بھوکے پیاسے ہیں مصیبت میں گرفتار ہیں یہ
اہل کیں لاکھوں ہیں اور دو جگر افگار ہیں یہ

پرتاثیر دعا

تو اگر چاہے تو دے پیل پہ پشہ کو ظفر ہو تیرا فضل تو قطرہ ابھی ہو جائے گہر
بخش دے دودھ میں لونڈی کی شجاعت کا اثر نام آفاق میں کر جائیں مرے نور نظر

عون بیجان ہو جدا مجھ سے محمد ہو جائے
پسر فاطمہ زہرا کی یلا رد ہو جائے

یاں تو اللہ سے کرتی تھی یہ زینب گفتار اور اُدھر عون و محمد نے اُڑائے رہوار
یا علی کہہ کے جولیں میاں سے تیغیں اکبار خوف کے مارے لگے کانپنے سب ظلم شعار

صف کی صف[3] ہو گئی مسمار ستمگاروں کی
بجلیاں فوج پہ گرنے لگیں تلواروں کی

جس طرف بپھرے ہوئے رن میں جھپٹتے تھے وہ شیر مارے تلوار وہ نکلے کر دیتے تھے لاشوں کے ڈھیر
پیش آجاتا تھا گر کوئی زبردست دلیر دونوں تائید شجاعت سے اسے کرتے تھے زیر

میمنہ والوں پہ جا پڑتا تھا گر عون جری
حملہ ور میسرہ کی صف پہ محمد تھا کبھی

۱؎ حال تباہ ہونا۔ برا حال ہونا ۲؎ رنگ فق ہونا۔ رنگ اڑ جانا
۳؎ صفیں مسمار ہونا۔ صفوں کا ٹوٹ جانا۔

معرکہ آرائی

حملہ کرتا تھا اگر عون پہ کوئی اسوار   مار لیتا تھا محمدؐ اُسے بڑھ کر ہر بار
کرتا تھا کوئی محمد پہ اگر نیزے کا وار   عون تب اس کو لگاتا تھا جھپٹ کر تلوار
ایک سے ایک سوا جنگ میں کد[1] کرتا تھا
یہ مدد اس کی تو وہ اس کی مدد کرتا تھا

آ کے اُن شیروں سے ہوتے تھے جو سرگرم نبرد   برق[2] شمشیر سے جل جل کو وہ ہو جاتے تھے سرد
گھوڑوں کی ٹاپوں سے اڑتی تھی بیاباں میں گرد   ہر طرف خاک پہ بسمل تھے ہزاروں نامرد
قتل کر ڈالا سواروں کا رسالہ دم میں
کر دیا پیاسوں نے لشکر تہ و بالا دم میں

نیزہ بازی کا جو پھر آ گیا دونوں کو خیال   نیزہ بازو پہ گرے چھوٹی سی تیغوں کو سنبھال
دو لعین نکلے ادھر سے بھی پئے جنگ و جدال   آ گئے غیظ میں تب زینب دلگیر کے لال
ایک پر عون دلاور نے اٹھایا گھوڑا
ایک شامی پہ محمدؐ نے بڑھایا گھوڑا

زورِ بیاں

جاتی تھی تا سرِ گردوں جو سنانوں کی چمک   آنکھ خورشید کی ہر مرتبہ جاتی تھی جھپک
سامنے گھوڑوں کے شرمندہ تھی بجلی کی چمک   تھرتھراتی تھی زمیں رن کی لرزتے تھے فلک
جب یہ للکار کے نیزوں کو تکاں دیتے تھے
آہنی ڈھالوں میں سینے وہ چھپا لیتے تھے

[1] کد کرنا۔ کوشش کرنا۔ [2] برق شمشیر سے جل کر سرد ہو جانا۔ تیغ کی آنچ سے جلکر ٹھنڈے ہو جانا۔

واقعہ نگاری

یہ جھکے اُنپہ تو اُنپر بھی جھکے وہ خونخوار دو طرف دونوں سے بس چلنے لگے نیزوں کے وار
لڑتی تھیں نیزوں کی انیوں سے جو انیاں سربار خاک پہ گرتی تھیں چنگاریاں بے حد و شمار
قتل پران کے تو خونخوار وہ کد کرتے تھے
پر یہ کس خوبی سے ہر وار کو رد کرتے تھے

دیر تک دونوں سے لڑتے رہے زینب کے پسر ان کا وار اُنپہ چلا اور نہ ان کا اُن پر
آکے تب غیظ میں کہنے لگے وہ نیک سیر دیکھو اے ظالمو ہم دونوں کے نیزوں کا اثر
یک بیک پھرتی سے اس طرح ہلائے نیزے
دونوں خونخواروں کے سینوں میں در آئے نیزے

بسکہ تھے زور میں یکتا وہ علی کے دلدار دونوں کو نیزوں کی نوکوں پہ اُٹھایا اک بار
نیزوں سے پھر اونہیں پھینکا سوئے چرخ دوار جب لگے گرنے تو دونوں نے لگائی تلوار
برش تیغ پہ حیران تھے ستمگر رن میں
چار ٹکڑے گئے دونوں کے برابر رن میں

اس خرابی سے ہوئے قتل جو وہ دونوں خونخوار کیا معصوموں نے تکبیر کا نعرہ یکبار
الاماں کی ہوئی فوج ستم آرا میں پکار جھک گئے خاک پہ سجدے کو امامؑ ابرار[1]
کہیں شاباش کہیں واہ کا غل برپا تھا
عرش تک اجرکم اللہ کا غل برپا تھا

---

[1] امام ابرار - حضرت امام حسین مراد ہیں -

رزمیّہ

پھر کمانداروں نے شیروں نے اٹھائے گھوڑے — قدر اندازوں پہ جوں تیر در آئے گھوڑے

سب نے رُخ پھیر کے میدان سے بڑھائے گھوڑے — پیچھے بدکیشوں کے دونوں نے اٹھائے گھوڑے

سہم کر چھپ گئے تھے گوشوں میں سرکش کتنے

گر گئے زمیں خطا کاروں کے ترکش کتنے

فوج میں ہلچل

تھی عجب طرح کی میدان میں اُس دم ہلچل — بھاگتے پھرتے تھے ہر سمت سوار اور پیدل

گھوڑوں کی ٹاپوں سے تھراتا تھا سارا جنگل — گرم تھا دشتِ بلاخیز دَہلتے تھے جبل

بدحواسی سے جو بھاگے تھے جواں لشکر کے

ایک پر ایک گرا پڑتا تھا مارے ڈر کے

دفعتہً نرغۂ اعدا میں پھنسے وہ جرّار — یک بیک ٹوٹ پڑے اُن پہ ہزاروں خونخوار

گھر گئے لاکھ سواروں میں علی کے دلدار — برچھیاں چل گئیں ہونے لگے تلواروں کے وار

دل میں دونوں کے بھری تھی جو ولائی شبّیر

تھا یہ ہر زخم پہ نعرہ کہ فدائے شبّیر

ایک تو پیاسے تھے دو روز کے وہ نیک خصال — زخم کھائے جو بدن پر تو ہوئے اور نڈھال[1]

چھاتیاں ہو گئیں تیروں سے سراپا غربال — خون میں لال ہوئے زینبِ دلگیر کے لال

منہ پھرا کر کبھی ماموں کو صدا دیتے تھے

ضعف سے سر کبھی ہر نو پہ جھکا دیتے تھے

---

[1] نڈھال ہونا۔ کمزور ہونا۔ غربال ہو گئیں چھلنی ہو گئیں سانیں جا بجا سوراخ ہو گئے۔

یہ خبر سنتے ہی تھرّانے لگی زینبِ زار اُڑ گیا رنگ مگر روئی نہ وہ سینہ فگار
جھک کے سجدے میں کہا میں تری رحمت کے نثار سرخرو مجھ کو کیا پیش رسولِ مختار
صدقے زہرا کی کمائی یہ کمائی میری
شکر کرتی ہوں کہ امید بر آئی میری

دوڑے میدان کی جانب جو شہنشاہِ زمن دیکھا دم توڑتے ہیں خاک پہ وہ تشنہ دہن
کثرتِ زخم سے گلزار ہیں دونوں کے بدن ہچکیاں لیتے ہیں کھولے ہوئے غنچہ سی دہن
بولے شہ اس نگہِ یاس پہ قربان حسین
اس محبت پہ اور اس پیاس پہ قربان حسین

سنکے یہ دونوں نے منہ شاہ کے قدموں پہ ملے جھک کے شبیرؑ نے چومے وہ صراحی سی گلے
یک بیک آنکھیں بھی پتھرا گئیں منکے بھی ڈھلے شاہ چلّائے کہ بچے مرے دنیا سے چلے
کیا وفاداری میں کامل تھے وہ صفدر دونوں
مر گئے شاہ کے قدموں پہ تڑپ کر دونوں

دشتِ جنگاہ[1] میں زینب کے جو پیارے[2] آئے غل پڑا برجِ شرافت کے ستارے[3] آئے
شیر کی طرح سے دریا کے کنارے آئے جنگ کو لاکھوں سے وہ پیاس کے مارے آئے
ابھی کیا عمر ہیں ان دونوں کی اور کیا سن و سال
پیاس کا کچھ انہیں صدمہ ہے نہ مرنے کا خیال

[1] جنگاہ۔ جنگ گاہ۔ میدانِ کارزار۔ [2] زینب کے پیارے۔ حضرت عون و محمد
[3] برجِ شرافت کے ستارے۔ مراد شریف باپ کے شریف بیٹے۔

سن تو کم ہیں یہ شجاعت کے دھنی ہیں دونوں
بھوکے پیاسے ہیں یہ ہمت کے غنی ہیں دونوں
سرو بستانِ امامِ مدنی ہیں دونوں
دیکھو آمادۂ شمشیر زنی ہیں دونوں
ڈھالیں شانوں پہ ہیں اور ہاتھوں میں شمشیریں ہیں
جعفر و حیدرِ کرّار کی تصویریں ہیں

حال پر زینبِ بیکس کے ہے رونے کا مقام
رنج سے بیٹوں کے ہو جاتی ہے ماں کی آرام
یوں لٹا دیوے یہ دولت ہے اسی بی بی کا کام
کوئی چھاتی سے جدا کرتا ہے ایسے گلفام
غم سے سینے میں کلیجہ تہ و بالا ہوگا
کس طرح آپ کو زینب نے سنبھالا ہوگا

چھوٹے چھوٹے تو ہیں قد اور ارادے ہیں بڑے
چاند سے چہروں پہ گوندھے ہوئے گیسو ہیں پڑے
سینے تانے ہوئے کس شان سے رن میں ہیں کھڑے
صاف کہتے ہیں کہ آوے جسے لڑنا ہو لڑے
دو شب و روز کے پیاسوں کی شجاعت دیکھی
شہِ مرداں کے نواسوں کی شجاعت دیکھی

کرتے تھے اہلِ شقاوت تو یہ آپس میں کلام
عمرِ سعد کا یہ فوج کو پہنچے احکام
جلد ہاں کام کرو بیٹوں کا زینب کے تمام
جیتے پھر جائیں نہ خیمے کی طرف یہ گلفام
بچے ہیں گھات سے باتوں میں لگا لو ان کو
گھوڑ و نسی نوکوں پہ نیزوں کی اٹھا لو ان کو

---

۱ شجاعت کے دھنی۔ بہت بہادر۔ ۲ دولت۔ ماں کی دولت اس کے بیٹے ہیں۔
۳ کلیجہ تہ و بالا ہونا۔ کلیجہ دھڑکنا ۴ اہلِ شقاوت یہاں فوجِ شام سے مراد ہے
۵ کام تمام کرنا۔ مراد قتل کر دینا۔

مار ڈالو جنگ کے سو جھی ہے مجھے یہ تدبیر
کر لو شیروں کی طرح ان کو کمند وں میں اسیر
ہاتھ آئیں تو پہنا کر انہیں طوق و زنجیر
یاں سے لیجائینگے یوسف کیطرح پیشِ امیر
خلعت و زر تمہیں سردار سے ہاتھ آئے گا
اور تڑپ کر پسرِ فاطمہ مرجائے گا

رزمیہ

سج کے یہ رن میں صف آرا ہوئیں فوجیں باہم
کھلے لشکر کے نشاں چمکے سنہری پرچم
نیزے سیدھے ہوئے تیغیں ہوئیں ہر سمت علم
فوجِ دشمن کی کمانوں سے چلے تیر ستم
سب زمیں ٹاپوں سے راہواروں کے تھرانے لگی
عربی باجوں کی گردوں پہ صدا جانے لگی
کرتی تھیں حضرت زینب ادھر اللہ سے دعا
دونوں لڑکوں پہ ادھر شام کا بادل اُمڈا
سینکڑوں تیغیں کھنچیں تیروں کا منہ پڑنے لگا
نیمچے کھینچکے بھائی نے یہ بھائی سے کہا
لاکھ آفت اگر افلاک سے ٹوٹے ۔ بھائی
روح و قالب کیطرح ساتھ نہ چھوٹے بھائی
باگیں رہواروں کی لیں اور پڑھی نادِ علی
گھس گئے فوج میں وہ دونوں شجاعِ ازلی
اُسکو بیجان کیا جس شامی کی تیغ انپہ چلی
وار جسپر کیا سر سے نہ اجل اُسکے ٹلی
تیغ چمکا کے جدھر شیر سے بھڑ پڑتے تھے
نیمچے کیا تھے کہ دو صاعقے گر پڑتے تھے

ف۱ امیر ۔ یزید مراد ہے ۔ ف۲ پسرِ فاطمہ حضرت امام حسین ۔ ف۳ آواز گردوں تک پہنچنا ۔ بلند آہنگی کے موقع پر استعمال کرتے ہیں ف۴ شام کا بادل ۔ مراد لشکر شام سے ہے ۔ جو بادل کی طرح چھایا ہوا تھا ۔
ف۵ سر سے اجل نہ ٹلی ۔ یعنی اسے موت آگئی ف۶ بھڑ پڑنا لڑ پڑنا ۔ دو بدو جنگ کرنا ۔

جوش رفاقت

گھیر لیتے تھے اگر ایک کو ملکر اعدا ۔ دوسرا دوڑ کے کر دیتا تھا اسکو پسپا
اس پہ کرتے تھے سوار آنکے جبھی دم نرغا ۔ کہتا تھا وہ کہ نہ گھبراؤ میں آپہنچا

مہلت اعدا کو نہ چھوٹا نہ بڑا دیتا تھا
بھائی بھائی کے لئے جان لڑا دیتا تھا

خالی جاتا تھا کوئی جنگ میں گر عون کا وار ۔ مارتا تھا اُسے تب بڑھ کے محمدؐ تلوار
زد پہ آجاتا تھا دونوں کے اگر کوئی سوار ۔ اک گرا دیتا تھا دو دوسرا کر دیتا تھا چار

تن میں طاقت نہ تھی ہمت سے فقط لڑتے تھے
پیاسے ایسے تھے کہ گھوڑوں سے گرے پڑتے تھے

احساس تشنہ کامی

چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے اسوقت کہا ۔ بھائی دیکھو تو کہ لہراتا ہے کیسا دریا
ماموں کے واسطے لیچلتے جو پانی ملتا ۔ چلکے اب نہر میں بس ڈالدو گھوڑے بھیا

تم بھی پیاسے شہ عالم بھی بہت پیاسے ہیں
اماں بھی پیاسی ہیں اور ہم بھی بہت پیاسے ہیں

جذبات

آگ سی بھڑکی ہے جلتا ہے کلیجہ بھائی ۔ اب تو لڑنے کی بھی طاقت نہیں اصلا بھائی
شانے بھی تھک گئے ۔ کہنے لگا بھوکا بھائی ۔ اہل کیں دور ہیں نزدیک ہے دریا بھائی

---

۱ گھیر لینا۔ نرغہ میں لے لینا۔ ۲ جان لڑا دینا انتہائی کوشش کرنا۔ ۳ پانی کا لہرانا۔ پانی کا لہریں مارنا۔ ۴ کلیجہ میں آگ بھڑکنا۔ پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ جانا۔ شدت تشنگی سے برا حال ہونا

پانی پینے کا تو ممکن نہیں دھیان آجاوے
ہاتھ منہ دھو لیں جو ذرا چلکے تو جان[1] آجاوے

تاثیر بیان

عون کہنے لگا بھائی کا یہ سُن سُنکے بیان
اے محمد میں تری پیاس کے اوپر قربان
بولا جاتا نہیں یہ خشک ہے میری بھی زبان
جانا دریا پہ مناسب نہیں لیکن اس آن
فائدہ کیا ہے اکیلے ہی جو شاداب ہوئے
ماموں پیاسا رہا اور بھانجے سیراب ہوئے

علی اصغر کی کرو تشنہ دہانی کا خیال
پیاس کی گرمی سے گھوارے میں کیسا ہے نڈھال[2]
کھولے منہ پانی کا کرتا ہے اشارے سے سوال
دیکھا جاتا نہیں یہ بالی سکینہ کا ہے حال
حرف پانی کا زباں سے نہ نکالو بھائی
اپنا منہ نہر کی جانب سے پھرالو بھائی

کہا گھبرا کے محمد نے کہ اے نیک صفات
ماموں کی پانی پلانے کو کہی تھی یہ بات
ورنہ جب تک نہ پئیں شاہ رفیع الدرجات[3]
خاک سمجھیں ہمیں ہاتھ آئے اگر آبِ حیات
آبرو دینگے نہ گو بھوکے پیاسے ہیں ہم
حضرتِ ساقیٔ کوثر[4] کے نواسے ہیں ہم

---

[1] جان آجانا۔ جسم میں طاقت آجانا۔ [2] بے حال ہونا۔
[3] شاہ رفیع الدرجات۔ حضرت امام حسین مراد ہیں [4] حضرت ساقیٔ کوثر۔ یہاں حضرت علی مراد ہیں۔

بھائی سے کر رہا تھا یہ ابھی باتیں بھائی چار جانب سے جو پھر فوج سمٹ کر آئی
دونوں بچوں پہ گھٹا[۱] فوج ستم کی چھائی گھر گئے سیّد مظلوم[۲] کے وہ شیدائی
پیچ عمامے کے کٹ کٹ گئے شمشیروں سے
چھوٹی سی چھاتیاں مجروح ہوئیں تیروں سے

زخمی سینوں پہ لگے جبکہ ستم کے نیزے گردنیں جھک گئیں غش کھا کے ور معصوم گرے
ہوئی اعدا میں خوشی فتح کے نقّارے بجے شور تھا کاٹ لو ان دونوں کے سر خنجر سے
دیکھتے ہی یہ ستے فوج ستم شاہ چلے
قاسم و اکبر و عباس بھی ہمراہ چلے

وہ تڑپتے ہیں پڑے خاک پہ دونوں گلرو کھینچتا ہے عمر سعد پکڑ کر گیسو
زخم پھٹ پھٹ گئے ہیں خاک پہ بہتا ہے لہو شمر اب کاٹتا ہے دونوں کے خنجر سے گلو
شکل دونوں کی یہ لشکر نے بنا ڈالی ہے
سر تو کٹوا چکے اب لاشوں کی پامالی ہے

پہنچے لاشوں پہ جو دونوں کے جناب شبّیر دیکھا بیدم ہیں پڑے خاک پہ وہ ماہ منیر
چاند سی سینوں میں معصوموں کے پیوست ہیں تیر کہیں نیزوں کی جراحت کہیں زخم شمشیر
پیاس سے نکلی جو ہیں جسم سے جانیں باہر
برگ گل سی نکل آئی ہیں زبانیں باہر

---

[۱] گھٹا چھانا۔ گھٹا کا چاروں طرف سے گھیر لینا۔

[۲] سیّد مظلوم۔ حضرت امام حسینؑ مراد ہیں

شام نے خاک سے رو رو کے اُٹھائے لاشے　　منھ پہ منھ رکھ یا چھاتی سے لگائے لاشے
ڈالکر گھوڑوں پہ خیمے میں جو لائے لاشے　　بولی زینب مرے فرزندوں کے آئے لاشے
غم نہیں اس کا کہ یہ لاڈلے بیجان ہوئے
عید ہے آج کہ بھائی پہ یہ قربان ہوئے

دیکھکر لاشوں کو ٹکڑے ہوا زینب کا جگر　　گر پڑی خاک پہ لاشوں کی بلائیں لیکر
دونوں فرزندوں کے قدموں پہ کبھی رکھتی تھی سر　　کبھی کہتی تھی مرے پیارو میں صدقہ تم پر
کیسی جرأت سے لڑے واہ بڑا کام کیا
سُرخرو آپ ہوئے اور مرا نام کیا
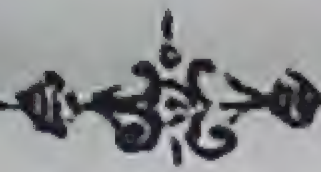
حُر کے متعلق کہتے ہیں۔ کہ

مستوجب رحمت تھا وہ مفتونِ شہادت　　جاں بیچکے پایا دُرِ مکنونِ شہادت
بے سر دیے ہرگز یہ مہم سر نہیں ہوتی[1]
ہاتھ آئی وہ دولت جو میسّر نہیں ہوتی[2]

اسی سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

مواعظ

یہ مرتبہ بے شکر گذاری نہیں ہوتا　　یہ اوج بجز رحمتِ باری نہیں ہوتا
بے فیض یہ چشمہ کبھی جاری نہیں ہوتا　　کم قدر کا پلّہ کبھی بھاری نہیں ہوتا[3]

---

[1] مہم سر ہونا۔ مہم فتح ہونا　　[2] ہاتھ آنا۔ دستیاب ہونا
[3] پلّہ بھاری ہونا۔ عزت میں اضافہ ہونا۔

زرّیں سبق

اک جا یہ تھے حُر و شمر یہ عالم میں ہے مشہور کیا شانِ خدا ہے کہ یہ مغفور وہ مقہور
وہ ہوتا ہے جو ہوتا ہے اللہ کو منظور انسان رہے حق کی طرف اپنے بمقدار

دولت کو نہ حشمت کو نہ آرام کو دیکھے
آنکھیں وہی رکھتا ہے جو انجام کو دیکھے

اے حُر وفادار تری تقدیر کے صدقے تجھ پہ کے فدا عزّت و توقیر کے صدقے
جاں بخش تصدّق شہِ دلگیر کے صدقے اُس صحبتِ ذیقدر کی تاثیر کے صدقے

ناکام کا یوں کام ملاقات میں بن جائے
برسوں کا جو بگڑا ہو وہ اک بات میں بن جائے

اس کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ ؎

جب قتل ہوا حُر سا مددگار موافق
اور فوج پہ برسانے لگے تیر منافق
اس وقت فوجِ حسینی کی یہ حالت تھی

ایک ایک سے پہلے تھا خریدار اجل کا سر کٹ رہے تھے گرم تھا بازار اجل کا

شوقِ شہادت

یوں جاتے تھے میدانِ شہادت میں وہ جرّار جسطرح کہ بچھڑی ہوئی بلبل سوئے گلزار
خود دم کو کہتے تھے فرق پہ جب آتی تھی تلوار بارانِ کرم جانتے تھے تیروں کی بوچھار

سلہ شمر: لشکرِ شام کا افسر۔ سلہ شہِ دلگیر سے حضرت امام حسین مراد ہیں۔
سلہ بن جائے۔ ٹھیک ہو جائے۔

زخموں کو عطائے صمدی جانتے تھے وہ
مرنے کو حیاتِ ابدی جانتے تھے وہ

اس کے بعد جاں بازِ جہاں دیدہ فنِ جنگ سے ماہر حبیب ابن مظاہر کا ذکر کرتے ہیں۔

رعشہ تھا کہ قابو میں نہ تھے دستِ نکوکار ۔ پر ایک میں محکم تھی سپر ایک میں تلوار
جب شہ کی طرف تیر لگاتے تھے ستمگار ۔ یہ بڑھ کے اُسے روکتے تھے سینہ پہ ہر بار
ہر چند کہ پیری سے قدِ راست میں خم تھا
اس پر بھی کچھ آگے ہی جوانوں سے قدم تھا

مگر جب ایسے رفیقوں کا پرا خالی ہو گیا۔ اور رفقا کی بجائے ان کی لاشیں رہ گئیں۔ تو اس وقت حضرتِ مسلم کے صاحبزادے فوجِ غنیم سے لڑنے کے لئے جاتے ہیں اور خلعتِ شہادت سے سرافراز ہوتے ہیں۔ اس کے بعد حضرتِ زینب کے جگر گوشوں کا بیان ہے۔

وہ طفل جو تھے تین شب و روز کے پیاسے ۔ زینب کے پسر شبّرِ الٰہی کے نواسے
خود اپنی شہادت کے طلبگار خدا سے ۔ بیتاب کہ کیوں رہ گئے پیچھے شہدا سے
ذیقدر یہ سرافرازِ وفا کیش حق آگاہ
بچپن میں اُولُوا العزم کہ العظمۃ للہ

قاسم حسنِ سبز قبا کا مہِ تاباں ۔ عباس علی چشم و چراغِ شہِ مرداں
ہمشکلِ نبی نورِ نگاہِ شہِ ذی شاں ۔ زینب کے پسر جعفر و زہرا کے دل و جاں
تاباں نظر آتا تھا مستمر پاس قمر کے

پانچوں یہ جری نور تھے شبّیر کے گھر کے

کھولے ہوئے رایت کوئی تولے ہوئے شمشیر
بیتاب کہ تلوار کے چلنے میں ہے کیوں دیر
طاقت میں زبردست کہ لاکھوں سے نہوں زیر[۱]
بیشے میں پلے جو اسد اللہ کے وہ شیر
جز سجدۂ حق سر کبھی اُنکے نہ جھکے تھے
یہ قبلۂ عالم کا ادب تھا جو رکے تھے

اس وقت عجب غم تھا شہ جن و بشر کو
نے روح کو راحت تھی نہ آرام جگر کو
کھو سکتے تھے بھائی کو نہ اکبر سے پسر کو
نہ عون و محمد کو نہ شبّیر کے قمر کو
میوے تھے سب اک باغ کے پھول ایک چمن کے
وہ بھائی کا بیٹا تھا یہ بیٹے تھے بہن کے

محاکات جوش و شجاعت

ناگاہ ہوا شور مبارز طلبی کا
پھر قصد لعینوں نے کیا بے ادبی کا
منھ سرخ ہوا غیظ سے ہمشکل نبی کا
رایت بھی بڑھا فوج رسولِ عربی کا
حیدر کے نواسوں کی بھی ابرو پہ عمل آیا
چھوٹا تو یہ بگڑا[۲] کہ پرے سے نکل آیا

گھبرا کے پکارے جو اُسے سیدِ ابرار
بس پھر کے گرے پاؤں پہ آقا کے وہ جرار
کی عرض بصد عجز کہ اے سرورِ سردار
ہم دونوں غلام اب ہیں اجازت کے طلبگار
حضرت پہ ہے روشن جو ہمارا ہے ارادہ
سن کم ہیں پہ ہمت ہی جوانوں سے زیادہ

---

[۱] زیر ہونا۔ مغلوب ہونا۔ استقلال غیظ یا غصہ کی وجہ سے [۲] بگڑا یعنی جوش میں آیا۔

بسمل جو ہوئے مسلم مظلوم کے پیارے — ہم خیمے میں جا سکتے نہیں شرم کے مارے
اماں نے کہا ہوگا کہ ابتک نہ سدھارے — جانوں کو بچاتے ہیں جگر بند ہمارے

قاصر ہیں جو توقیر شہادت نہیں ملتی
کیا جانیں اسے وہ کہ اجازت نہیں ملتی

ہم آپ سے مرنے کیلیئے جا نہیں سکتے — زخم تبر و تیر و سناں کھا نہیں سکتے
بے حکم جو مطلب ہے اُسے پا نہیں سکتے — آداب سے کچھ لب پہ سخن لا نہیں سکتے

پیچھے رہے اوروں سے یہ تقدیر ہماری
ہاتھ آپ کے ہے عزت و توقیر ہماری

یہ کہکے جو رونے لگے زینب کے جگر بند — حضرت نے کہا میں ہوں بہر حال رضا مند
کھوئے ہیں کسی بھائی نے ہمشیر کے فرزند — کس مُنہ سے کہوں آہ کہ ہو خاک کے پیوند[1]

ماموں سے جدا ہوتے ہو جب ہوش سنبھالا
دل کا کوئی ارمان بھی تم نے نہ نکالا

دوسری طرف خیمۂ اہل بیت میں حضرت زینب کی یہ حالت تھی۔ کہ

سر زانو پہ تھا فکر میں اور لب پہ یہ تقریر
محجوب کیا بیٹوں نے ہے ہے مری تقدیر

اسی سلسلہ میں فرماتی ہیں۔

آتا ہے دم صبح سے یاں لاشے پہ لاشا — اُنکے لئے اوروں کی لڑائی ہے تماشا
پائی نہ اجازت یہ سخن خوب تراشا[2] — باتیں ہیں یہ ساری مجھے باور نہیں جاتا

[1] خاک کا پیوند ہونا۔ مٹی میں ملنا یعنی مرجانا۔ [2] سخن تراشنا۔ بات گڑھنی

میں جانتی تھی پہلے اجازت وہی لینگے
اسکی نہ خبر تھی کہ دغا وقت پہ دینگے
بانو نے کہا دونوں کی عمر ہیں ابھی کیا | لے گھر سے وہ نکلے نہ کوئی معرکہ دیکھا
میدان کی رضا دینے نہ ہونگے شہِ والا | آزردہ نہوں آپ یہ غصّے کی نہیں جا
فرمایا کہ ہاں جو مجھے تقدیر دکھائے
جی جاؤنگی مرکر جو وہ میدان سے آئے
اس کے بعد کہتے ہیں
یہ ذکر تھا فضّہ جو خبر لے کے یہ آئی
لو میرے خوزادوں نے رضا جنگ کی پائی
فضہ سے یہ سننا تھا کہ رونے لگا گھر سب | اور خاک پہ سجدے کو جھکیں حضرت زینب
فرمایا کہ صد شکر بر آیا میرا مطلب | عزّت میرے بچوں کی ترے ہاتھ ہے یارب
بچّے میرے کمزور رہیں خاقوں کے محن سے
دھڑکا ہے کہ گھر آکے چلے جائیں نہ رن سے
اس کے علاوہ
کم سن ہیں لڑائی کے نہیں رنگ سے واقف
فوجوں سے نہ آگہ نہ فن جنگ سے واقف

سلہ "ابھی عمر کیا ہے"۔ یعنی بہت تھوڑی ہے۔ سلہ "آزردہ ہونا" ناراض ہونا۔
سلہ "تیرے ہاتھ ہے" تیرے بس ہے۔

مرقع نگاری

بانو نے کہا دیکھو لو پھر ان کو بُلا کر فرمایا نہیں آئینگے خود بر چھیاں کھا کر
اصرار کیا سب نے تو گردن کو جھکا کر فرمایا کہ اچھا کوئی لائے انہیں جا کر
فضہ گئی اور خیمے میں لائی انہیں ہمراہ
آئے صفتِ مہر لرزتے ہوئے دو ماہ

چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ مادر ہر دم تھے اسی فکر میں ہم دونوں برادر
جاتا تھا وہاں ایک کے بعد ایک دلاور ہر دوست سے مل مل کے گلے روتے تھے سرور
کس سے کہیں آقا پہ جو کچھ رنج و تعب تھا
اسوقت میں رخصت طلبی ترکِ ادب تھا

لاشوں کا وہ آنا وہ ہجومِ والم و یاس جرأت نہ پڑی[۱] عرض کی تھی گرچہ بہت پاس
آزردہ نہوں آپ ہمیں تھا یہی وسواس جب بڑھتے تھے ہم روکتے تھے حضرتِ عباس
جوڑے ہیں کبھی ہاتھ کبھی گر کے پھرے ہیں
راضی ہوئے جب پاؤں پہ اسوقت گرے ہیں

---

[۱] جرأت پڑنا - حوصلہ ہونا -

پہلی جلد ختم ہوئی

کتبہ سید احمد منوطن ڈھکم - بلگن - ضلع سیالکوٹ